خیرہ نہ کر سکا مجھے جلوۂ دانشِ فرنگ
سرمہ ہے میری آنکھ کا خاکِ مدینہ و نجف

اقبالؒ
آلِ محمدؐ
کے
دربار میں

سید نجم الحسن نقوی

خیرہ نہ کر سکا مجھے جلوۂ دانشِ فرنگ
سرمہ ہے میری آنکھوں کا خاکِ مدینہ و نجف

سلسلہ اشاعت نمبر ۲

اقبالؒ آلِ محمدؐ کے دربار میں

تالیف

سید نجم الحسن نقوی۔ ایم۔ اے۔ بی ایڈ

ناشر

انجمن غلامانِ اسلام پاکستان رجسٹرڈ
پنن وال، تحصیل پنڈدادن خان، ضلع جہلم

اشاعت بار اول	تعداد	قیمت
اکتوبر ۱۹۷۴ء	۵۰۰	تین روپے

اقبال آلِ محمدؐ کے دربار میں

ترتیب :-

- حرفِ اوّل ۱
- تقریظ ۴
- تمہید ۹
- شخصیت علیؑ ۱۹
- حضرت علیؑ سے عقیدت ۳۶
- سپاس بحضور علی علیہ السلام ۴۷
- جناب فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کے حضور ۷۱
- سرکار صلح حضرت امام حسن علیہ السلام ۸۱
- حضرت امام حسینؑ کے حضور عقیدت کے پھول ۸۴
- امامِ دوراں حضرت مہدی ہادی صاحب العصرؑ والزمان کے حضور ۔ ۱۰۸
- حرفِ آخر ۱۲۲

تقریظ

مستند فریقین مولانا سیّد نظیر الحسنین صاحب جعفری معلّم ادبیات گورنمنٹ ہائی سکول چوبرجی۔ لاہور

مفکّر اسلام، حکیم الامّت علامہ اقبال مرحوم کی اصلاحی و اخلاقی شاعری، فقید المثال سمجھ بوجھ، یگانۂ روزگار، بالغ نظری اور رفاعدانہ صلاحیتوں کا کون معترف نہیں۔ موصوف نے جہاں دنیاوی ترقی کے لئے ابھارا ہے۔ غلامی کی زنجیریں توڑ آزادی کا راستہ دکھایا ہے، خود اعتمادی اور خودداری کا درس دیا ہے۔ وہاں انھوں نے نہ صرف اہل اسلام بلکہ دُنیائے انسانیت کو آخرت کی کامیابی و کامرانی سے ہمکنار ہونے کے لئے اُن ناپیدا کنار، قدرت کی شاہکار، آیۂ مشیّتِ پروردگار ہستیوں کا تعارف بھی کرایا ہے، جن کے نقش قدم پر چل کر ایک گمراہ خطا کار اور گناہگار، اہلِ بصیرت کا رہنما، حق و باطل کے لئے روشنی کا مینار بن جاتا ہے۔ اس موقع پر مجھے حضرت اقبال پہ اُن کا وہ شعر چسپاں کرنا پڑتا ہے جو انھوں نے داغ دہلوی کے بارے میں کہا تھا۔ ؎

تھی حقیقت سے نہ غفلت فکر کی پرواز میں
آنکھ طائر کی نشیمن پر رہی پرواز میں

ناظرین کرام! اس مختصر مگر جامع کتاب میں محترم سیّد نجم الحسن صاحب نقوی ایم۔ اے نے علامہ کے ایسے ہی گلہائے اشعار کو مرتب کر کے فضائلِ آلِ محمّد کا ایک جانفزا گلدستہ تیار کیا ہے۔ جس کی مہک سے قیامت تک خوانندگانِ کلامِ اقبال کا مشامِ جاں معطّر رہے گا۔

یہ کتاب جہاں متلاشیانِ مذہبِ حقّہ کے لئے سرمۂ بصیرت ہے، وہاں محبّانِ اہلبیتؑ کے لئے باعثِ تقویتِ ایمان و ایقان بھی ہے۔ مجھے امید واثق ہے کہ مومنین بانمکین اور برادران اسلام ہی نہیں بلکہ ہر مذہب و ملّت کے دِل دادگانِ شعر و سخن، خصوصاً طلبا و طالبات اس انمول تحفے سے مستفید و مستفیض ہوں گے۔ علم دوست اربابِ حل و عقد اس گرانقدر کتاب کو ملک و قوم کی ہر ایک لائبریری کو مزیّن فرمائیں گے۔

احقر الکونین

سید نظیر الحسنین جعفری، چوبرجی لاہور

قومیں نظریات سے زندہ رہتی ہیں

نظریات کی اشاعت سادہ آسان اور

عام فہم پروپیگنڈا سے ممکن ہے۔

کتابیں پروپیگنڈا کا ایک بہترین ذریعہ ہیں کتابوں

کی اشاعت میں انجمن غلامانِ اسلام کے ساتھ مالی

تعاون کر کے شکریہ کا موقع دیں

تعارف

(سید احسن عمرانی)

سرزمین بن وال (ضلع جہلم) جس قدر اپنی رفعت، عظمت و شوکت اور خوبی قسمت پر فخر کرے، کم ہے۔ یہ وہ خطہ ہے، جہاں خاندان نقویہ (اولاد امام نقی علیہ السلام) ایک مدت سے اجلال پذیر ہے۔ یہی وہ خاندان ہے جو مذہب حقہ کی ترویج و ترقی میں سرگرم عمل رہا اور ہے۔ سید نجم الحسن نقوی ایم۔ اے۔ بی۔ ایڈ بھی اسی خانوادہ کے چشم و چراغ ہیں، جن کے علم و فضل اور فرزانگی میں کوئی کلام نہیں۔ کتاب "اقبال آل محمدؐ کے دربار میں" ان کی طویل کاوش، دقیقہ رسی اور عرق ریزی کا زندہ ثبوت ہے۔ یہ گرانقدر کتاب مستطاب اردو نثر میں نہایت خوبصورت اضافہ ہے۔

اس میں شک نہیں کہ اس سے پہلے بھی لوگوں نے اس موضوع پر سیر حاصل تبصرے کئے ہیں اور دو ایک کتابیں بھی لکھیں۔ مگر نجم صاحب کے قلم سے لکھی ہوئی یہ کتاب اپنی افادیت، انفرادیت اور اہمیت میں سب سے جداگانہ شان رکھتی ہے۔ اقبالؒ ایک فلاسفر اور "ورلڈ فیم WORLD FAME" شخصیت ہے اور آل محمدؐ تخلیق کائنات کا سبب۔ اب اقبال ایسے فلسفی کے وہ فلسفیانہ اشعار جو اس نے آل محمدؐ کی عقیدت و محبت میں کہے۔ انھیں اردو، فارسی کے کلام سے تلاش کرنا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے بلکہ اس سے کہیں کٹھن۔ ان اشعار کو تاریخ و ادب، حدیث، قرآن کی روشنی میں جانچ پڑتال کرنا، اور پھر اسے نثری جامہ پہنانا کوئی معمولی بات نہیں۔ اس کے لئے فکر سلیم، عقل عظیم اور شعور کی پختگی اور وسیع تر مطالعہ کی ضرورت ہے۔ کتاب "اقبال آل محمدؐ کے دربار میں" کے پڑھنے سے پتہ چلتا ہے کہ نجم الحسن صاحب نے کافی ریاضت سے کام لیا ہے۔ ورنہ یہ کام کوئی آسان نہ تھا۔ خداوند عالم موصوف کو علم و فضل کی دولت سے مزید مالا مال کرے۔ ع اللہ کرے زور قلم اور زیادہ۔ آمین۔

انجمن غلامانِ اسلام پاکستان (رجسٹرڈ) ایک فعّال جماعت ہے، جو سالہا سال سے دینی، مذہبی اور ملی کاموں میں سرگرم عمل ہے۔ اس کے ساتھ دامے، درمے، قدمے، سخنے تعاون کرنا قومی فریضہ ہے۔ مخیر حضرات کو چاہئے کہ وہ اس کی مالی اعانت کریں۔ تاکہ یہ انجمن زیادہ سے زیادہ ٹھوس کام کر سکے۔ اور ایسی قسم کی کتابیں ہم تک پہنچتی رہیں۔

میں آخر میں انجمن ہذا کو جس نے یہ کتاب شائع کر کے موصوف کی اور قوم وادب کی خدمت کی ہے۔ نہایت ادب واحترام اور خلوصِ دل سے ہدیۂ تبریک پیش کرتا ہوں۔
گر قبول افتد زہے عزّو شرف

خاکپائے قوم:— سیّد احسن عمرانی چینوٹی
مدیر اعزازی ماہنامہ معارف اسلام لاہور

انجمن غلامانِ اسلام پاکستان رجسٹرڈ

پتن وال تحصیل پنڈدادنخان ضلع جہلم

کی ممبر شپ قبول کر کے

درج ذیل کتابچے مفت حاصل کریں

- اسلام اور تربیتِ اطفال
- سبز کتاب

ترسیل زر کا پتہ:— جنرل سیکرٹری

عرضِ ناشر

انجمن کی ایک اور پیش کش " اقبال محمدؐ و آلِ محمدؐ کے دربار میں " پیشِ خدمت ہے
یہ کتاب برادرم سید نجم الحسن نقوی ایم۔اے۔بی ایڈ کے زورِ قلم کا نتیجہ ہے۔
شاعرانہ ذہنیت بڑی پیچیدہ ہوتی ہے۔ اور پھر اقبالؔ جیسا شاعر، اس کے مذہبی عقیدے کے بارے میں کوئی حتمی فیصلہ کرنا مشکل امر تھا۔ تاہم صاحبِ موصوف کی کاوش قابلِ صد ستائش ہے کہ اقبالؔ کے کلام سے انھوں نے یہ ثابت کیا ہے کہ علامہ اقبالؔ شیعہ عقائد رکھتے تھے۔

اپنی اس کوشش میں وہ کہاں تک کامیاب ہوئے ہیں، ہم اس کا فیصلہ قارئین کرام پر ہی چھوڑتے ہیں۔

تاہم اتنا ضرور عرض کریں گے کہ کتاب کے مطالعہ کے بعد دماغ میں یہ احساس شدت سے پیدا ہوتا ہے کہ علامہ اقبالؔ عظمتِ آلِ محمدؐ کے دل و جان سے قائل تھے۔ اور آلِ محمدؐ کے دربار کے علاوہ سرِ نیاز کو خم کرنے کے لئے انھیں کوئی عمدہ دربار نہ ملا ورنہ وہ کبھی آلِ محمدؐ کی تعریف و توصیف اور ان کی محبت میں اتنی سرگرمی نہ دکھاتے۔

کاش! محبانِ اقبالؔ اپنے محبوب شاعر کے نقشِ قدم پر چل کر اپنی جبینِ نیاز کو آلِ محمدؐ کے حضور میں خم کردیں۔ جس میں ان کی نجات کا راز مضمر ہے۔

امید ہے، قارئین کرام انجمن کی اس پیشکش کو پسند فرمائیں گے۔ اگر کوئی فروگذاشت ان کی نظر سے گذرے تو ضرور مطلع کریں۔ تاکہ مناسب تصحیح کی جاسکے۔

احقر:۔ ڈاکٹر سید محمد سبطین
جنرل سکریٹری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرفِ اوّل

کفر و الحاد کے اس دور میں مغرب کی اندھا دھند تقلید نے ہماری نئی پود کو اسلام سے منحرف کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔ چند آزاد خیال پروفیسروں نے اسلامی نظریات کا مذاق کلاس روم میں اڑانا اپنا شعار بنالیا ہے۔ سیاسی لیڈروں نے عوام میں مقبولیت حاصل کرنے کے لئے دینی پابندیوں سے آزاد ہونے اور عوام کو آزاد کرانے کا بیڑہ اٹھا رکھا ہے۔ علمائے کرام نے عوام کے سامنے صحیح اسلام پیش کرنے کی بجائے اپنی ڈوری دونوں ہاتھوں سے سمیٹنے اور وقتی اقتدار کے حصول کے لئے فرقہ بندی کو ہوا دینا شروع کر رکھا ہے اور مرشدانِ خود بین نے تو اسلام کی تباہی میں ان سب کو کان پکڑوا دیئے ہیں۔ اس دور میں اقبال مرحوم کا کلام ہی غنیمت ہے کہ اس نے اپنی بساط کے مطابق عوام کو اسلام سے روشناس کرانے کی ہر چند سعی کی۔ فرماتے ہیں :-

کل شوریدہ خواب گاہِ نبیؐ پہ رو رو کے کہہ رہا تھا!
کہ مصر و ہندوستاں کے مسلم، بنائے ملت مٹا رہے ہیں

غضب ہے یہ مرشدان خودبیں خدا تری قوم کو بچائے
بگاڑ کر تیرے مسلموں کو، یہ اپنی عزت بنا رہے ہیں
سُنے گا اقبالؔ کون اس کو، یہ انجمن ہی بدل گئی ہے
نئے زمانہ میں آپ ہم کو، پرانی باتیں سُنا رہے ہیں

اسلام کی معرفت کے حصول کے لئے سب سے پہلی شرط معرفت الوہیت ہے مگر بموجب فرمان جناب رسالتمآبؐ کہ اللہ کو کسی نے نہیں پہچانا مگر میں نے اور علیؑ نے، مجھے کسی نے نہیں پہچانا مگر اللہ اور علیؑ نے اور علیؑ کو کسی نے نہیں پہچانا مگر اللہ نے اور میں نے۔ اللہ تعالیٰ کی حقیقی معرفت کے حصول کے لئے تائید نبوی لازمی ہے۔ اور نبیؐ پاک کی معرفت کے لئے تائید امام ضروری ہے۔ مگر تائیدِ امام سے قبل معرفتِ امام لابدی ہے۔ کیونکہ اگر معرفتِ امام نہ ہو تو تائید امام کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ نیز فرمانِ رسالتؐ ہے کہ من لم یعرف امام زمانہ فقد مات میتۃ الجاھلیہ جس نے امام وقت کو نہ پہچانا اور مرگیا، وہ جہالت کی موت مرا، جو سراسر گمراہی ہے۔

اِس کتابچہ میں اقبالؔ مرحوم کو اہلبیتِ رسُولؐ یعنی آئمہ معصومینؑ کے حضور پیش کیا گیا ہے تاکہ مداحانِ اقبالؔ مدارج آئمہ ہدا کو سمجھ کر معرفتِ امام حاصل کریں۔ اور جب معرفتِ امام ہو جائے تو پھر اپنے اِسی ممدوح کے کلام میں مدارج نبوّت کو تلاش کر کے معرفت نبیؐ کو پا سکیں۔ اور معرفت نبی حاصل کرنے کے بعد معرفتِ الوہیت کا حصول آسان ہو جائے گا۔ وہ صحیح اسلام کو سمجھ سکیں گے اور اس پر عمل پیرا ہو سکیں گے۔ کیونکہ

علّامہ شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کی شخصیت اور علوم ظاہری و باطنی کے صرف پاک و ہند کے علما ہی نہیں بلکہ پورے ممالک اسلامیہ کے علما قائل ہیں۔ فرماتے ہیں کہ درجۂ ولایت پر فائز ہونے کے لئے سب سے پہلا کمال اکمالِ وجاہت ہے جس کی تین قسمیں ہیں۔ محبُوبیت بہ نسبت رب العالمین۔ عزت در ملائکہ مقربین اور سیادت بہ نسبت عباد الصالحین۔ اور کمالِ ثانی یعنی ولایت کے بھی تین شعبے

ہیں۔ معاملات ربّانی، مقاماتِ روحانی اور اخلاقِ نفسانی۔ معاملات ربّانی میں کلام الہام۔ تفہیم اور حکمت آتے ہیں اور مقاماتِ روحانی میں عبودیت، عصمت محبّت، توکل، رضا، تسلیم، خوف و رجا، محو، فنا، صبر، شکر، تجرید و تفرید آتے ہیں نیز اخلاقِ نفسانی میں سخاوت، شجاعت، علو ہمتی، وسعتِ حوصلہ، استقامت و فورِ رحمت و شفقت، خیر خواہی دشمنان اور قدر شناسی دوستان آتے ہیں۔

کلام اقبال کے مطالعہ سے یہ جملہ اوصافِ حمیدہ اہلبیت رسول میں جمع نظر آتے ہیں۔ گویا علامہ مرحوم نے اپنے کلام سے معرفت امام سے متعارف کرایا ہے اور اس کا یہ احسان پوری قوم پر تا قیامت جاری و ساری ہے۔

میں زیادہ وقت تک آپ اور اقبال کے درمیان حائل نہیں رہنا چاہتا۔ لیجیے اندر کے صفحات کو مطالعہ کیجیے اور بڑے غور سے مطالعہ کیجیے کہ ہمارا یہ قومی و ملی شاعر دراصل کس کس کا ثنا خواں ہے۔ اور وہ اپنی قوم کو کن کن ہستیوں کے اسوہ حسنہ پر چلانے کی تلقین کرتا ہے۔

سید نجم الحسن۔ ایم۔ اے۔ بی ایڈ
پنن وال ضلع جہلم۔

انجمن غلامانِ اسلام پاکستان رجسٹرڈ

کے ساتھ

بھرپور تعاون کرنا ہمارا قومی فریضہ ہے

نعم المولیٰ ونعم النصیرہ

تقریظ

انسان اپنے سامنے ایک بامقصد زندگی رکھتا ہے۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ انسانی زندگی کا کوئی مقصد ہی نہ ہو۔ مادہ پرست جو خدا اور عالم اور۔ا حیات کے وجود کا انکار کرتے ہیں اور موجودات کو مادہ کی ارتقائی تبدیلیوں کے مظاہر خیال کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک انسانی زندگی کا کوئی بلند مقصد ہی نہیں اور نہ کسی بلند نصب العین پر ان کی نظر ہے جب ایک روشن مقصد حیات پیش نظر نہ ہو تو انسانی زندگی ..... محض حیوانی زندگی رہ جاتی ہے۔ کھاؤ اور پیو اور عیش اڑاؤ۔ اس سے آگے انسان کی نظر ہی نہیں پڑتی۔ وہ حیات بعد الممات کا قائل ہی نہیں ہوتا۔ اور اُسے ہونا بھی نہیں چاہیئے۔ اور اگر انسان اس زندگی کے بعد ایک ابدی اور سرمدی زندگی کا قائل ہوجائے تو اُسے یہ ماننا پڑیگا کہ دنیا کی یہ چند روزہ زندگی ابدی زندگی کا سرنامہ اور آغاز ہے۔ اس زندگی میں ہی حیات سرمدی کا سروسامان کر سکتے ہیں۔ اور اگر نظریہ یہ ہو کہ آخرت کی زندگی محض وہم وخیال ہے .... تو زندگی محض یہی دنیوی زندگی ٹھہرے گی اور کامیاب وہ انسان ہوگا جو ہر ممکن راہ سے اس زندگی کو ہی بنائے اور سنوارے گا۔ اور وہ اس کی تامین وتعمیر میں اپنی پوری توانائیاں صرف کر کے رکھ دے گا۔ اس کا نصب العین یہ قرار پائے گا کہ اس مادی زندگی کے تمام اسباب اور لوازمات کو جیسے بھی ہو فراہم کرے اور دنیا کی سب نعمتوں کو اپنے لئے سمیٹ کر خوب داد عیش دے!!

مذہب سے منحرف طبقات جو اپنی زندگی کا فلسفہ خدا کے وجود سے انکار پر استوار

کرتے ہیں۔ کیونکہ مادی زندگی کے تقاضے مجبور کرتے ہیں کہ خدا کا سرے سے ہی انکار کردیا جائے۔ جب خدا ہی نہ رہے تو اس کی خوشی اور ناخوشی، اس کی خوشنودی اور ناراضگی کے کوئی معنی ہی نہ ہوں گے۔ انسان آزاد ہوگا، جو چاہے کرے اور جو چاہے نہ کرے۔ اس طرح وہ اپنی من مانی کرسکتا ہے۔ لیکن مادہ کا خود بخود وجود میں آجانا پھر موجودات کی مختلف صورتیں اختیار کرلینا، بے جان مادہ میں جان کا پیدا ہونا حیات کا وجود، ایسے مسائل ہیں جو مادہ پرستوں کے باطل نظریات کی نفی کرتے ہیں اور انسان کو ایک مافوق ہستی قادر مطلق خدا کے ماننے پر ناچار کرتے ہیں۔ جب ہم عقلی طور پر تسلیم کرلیتے ہیں کہ واقعی اللہ ہے اور وہی خالق کائنات ہے، اسی نے تمام موجودات کو خلعت وجود عطا فرمایا۔ اسی نے انسان کو پیدا کرکے کرۂ ارض پر بسایا۔ وہ علیم کلیم، دانا و بصیر ہے۔ اس کا کوئی کام بھی حکمت اور مصلحت سے خالی نہیں ہے انسان کی تخلیق بھی اُسی نے کسی خاص مقصد کے لئے کی ہے۔

موجودہ دور میں ان دو نظریات میں باہمی جنگ و پیکار کا بازار گرم ہے۔ مادی زندگی کے زرق برق جلوؤں نے دنیا کو اپنا گرویدہ بنا لیا ہے۔ مغربی تہذیب و تمدن کی بنیادیں مادی نظریہ حیات پر استوار کی گئی ہیں۔ اس فلسفہ حیات نے وارفتہ انسان کو سیدھی راہ سے بھٹکا کر بادیۂ ضلالت میں سرگرداں کردیا ہے۔ ایک دنیا ہے جو شعوری اور لاشعوری طور پر مغرب کے تمدن کو اپنا رہی ہے۔ مغربی علوم و فنون اور سائنسی انکشافات اور تکنیکی ایجادات نے انسان کو دنگ کردیا۔ اب انسانی فکر و نظر نہیں بلکہ خود انسان چاند کی تسخیر پر اترا رہا ہے اور دوسرے ستاروں پر کمندیں ڈال رہا ہے۔ مغربی علوم کی برتری کے سامنے موجودہ دور کا انسان جھک جانے پر ناچار ہے۔ پھر ایک ایسا انسان جس نے مغربی علوم کے گہواروں میں نشو و نما پائی ہو۔ مغربی فلسفہ نے اس کی عقل کو جلا بخشی ہو۔ حکمت مغرب نے اس کے شعور کو بالیدگی عطا کی ہو۔ اس کی فکر و نظر افلاک کی بلندیوں پر محو پرواز ہو۔ کیا انسان توقع کرسکتا ہے کہ وہ فرزند مغرب یہ بھی کہہ سکتا ہے:۔

؎ خیرہ نہ کر سکا مجھے جلوۂ دانشِ فرنگ
سُرمہ ہے میری آنکھ کا خاکِ مدینہ و نجف

یہ ہے مفکرِ اسلام علامہ اقبال کا ایک معرکۃ الآرا شعر، جس میں شاعرانہ تخیل ہی نہیں بلکہ حقائق کے بحرِ بیکراں کو ایک قطرہ میں بند کر دیا ہے۔ مغربی علوم کی پیداوار فلسفۂ حیات کی مختلف صورتیں مغرب کے افکار کی پوری گہرائیوں میں اُتر کر اقبال یہ فرمانے پر مجبور ہیں کہ جلوۂ "دانشِ فرنگ" جس کے سامنے ایک دنیا سرِ نیاز خم کئے ہوئے ہے وہ میری نظر کو خیرہ نہ کر سکا۔ کیونکہ مدینہ اور نجف کی خاک کا سُرمہ میں نے آنکھوں میں ڈال رکھا ہے۔ جس نے سرکارِ دو عالم رحمۃ للعالمین حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عشق میں ڈوب کر ان کی پاکیزہ تعلیمات سے اپنے دل و دماغ کی دنیا کو روشن کر لیا ہو۔ جس کے سامنے قرآن جیسی جامع کتاب ہو اور اس کے ہمہ گیر اصول و قوانین ہوں جس نے اسلام کے ہمہ گیر دستورِ حیات کو وسعتِ نظر سے دیکھا ہو۔ جس نے قرآنِ ناطق حضرت امیر المومنین علی ابن ابیطالبؑ کے ارشادات کا مطالعہ کیا ہو، جو یہ جانتا ہو کہ حضورؐ نے فرمایا:۔ اَنَا مدینۃ العلم وعلی بابہا اَنَا دار الحکمت وعلیٌ بابہا۔ علیٌ مع القرآن والقرآن مع علیٌ۔ وہ بزبانِ خود پکار رہا ہو کہ ؎

اللہ! اللہ! بائے بسم اللہ پدر   مُحر   معنیٔ ذبحِ عظیم آمد پسر!!

کیوں نہ مدینہ و نجف کی خاک اس کی چشمِ بصیرت کا سُرمہ بنے۔ جب کائناتِ عالم کی یہ دو بزرگ ہستیاں اس کو مل جائیں تو اُسے دنیا کی اور کیا چیز چاہیئے۔ اُس کو مئے مودّت کے خمار میں کہنا ہی پڑتا ہے۔ ؎

نجف میرا مدینہ ہے، مدینہ ہے مرا کعبہ، میں بندہ اور کا ہوں، امتِ شاہِ ولایت ہوں

ایسے انسان کو مغربی علوم و فنون خیرہ نہیں کر سکتے۔ ؎

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا!

صدیوں کے بعد ہی کوئی کامل انسان پیدا ہوتا ہے۔ اس میں شک نہیں برِّصغیر
ل وہند میں ہزاروں شعرا نے جنم لیا۔ اُردو اور فارسی کے اَن گنت شعرا گزرے ہیں
شعر و شاعری میں بعض کا مقام بلند ہے اور اہلِ ذوق کو دادِ سخن دینا ہی پڑتی ہے
لیکن ان سب میں اقبالؔ کا رنگ منفرد ہے۔ عشق و محبت کے جذباتِ لطیفہ
گل و بلبل کی مفروضہ داستان سرائی سے آگے ہماری شاعری نے قدم نہیں
بڑھایا تھا۔ زندگی کے ٹھوس مسائل دستورِ حیات اور اسلام کی زندہ اور زندگی بخش
تعلیمات کو اقبالؔ نے اپنے اشعار کے سانچے میں ڈھال کر رکھ دیا۔ صدیوں سے
خوابِ غفلت میں پڑی ہوئی قوم کو نیند سے بیدار کیا۔ ان کی قنوطیت کو امید ورامید
میں بدل دیا۔ ان کی نشاۃِ ثانیہ کا سر وسامان کیا۔ برصغیر کے مسلمانوں میں ایک نیا
جوش اور ولولہ کروٹیں لینے لگا۔ پاکستان کا خواب بھی علامہ مرحوم ہی کا دیکھا ہوا تھا
اور آپ ہی کی مساعی سے شرمندۂ تعبیر ہوا ہے۔ اس لئے پاکستان کا ہر فرد اپنے اس
قومی ہیرو اور ملّی شاعر سے والہانہ عقیدت رکھتا ہے۔ ہمارے ادب و ثقافت اور
کلچر میں اقبالیات ایک اہم اور جداگانہ حیثیت سے سرِ فہرست ہے۔

اس میں شک نہیں کہ اقبالؔ اور اس کی شاعری پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ فلسفہ
اقبالؔ کے موضوع پر گرانقدر تالیفات موجود ہیں "روحِ اقبال"، "فکرِ اقبال"، "جہانِ
اقبال"، "موجِ کوثر"، "رودِ کوثر" اور اسی نوعیت کی دوسری معیاری کتابوں کی کمی نہیں۔
مجلسِ اقبالؔ اور بزمِ اقبالؔ نے بھی بہت کچھ کام کیا ہے۔ اکثر زبانوں میں کلامِ اقبال کے
تراجم اور شرحیں موجود ہیں۔ اور اُن کے پیش کردہ فلسفۂ حیات پر مستقل تالیفات کی
کثرت ہے۔ بلا مبالغہ آپ ایک عالمی شاعر ہیں۔ اُن کے کلام میں انسانیت کا ہمہ گیر
درس ہے۔ اس کے باوجود بھی کہنا پڑتا ہے کہ کلامِ اقبالؔ کے بہت سے ایسے گوشے
ہیں جن پر ابھی تک لوگوں کی نظر نہیں پڑی اور ضرورت ہے کہ ان کو لوگوں کے زیرِ
نظر لایا جائے۔ تاکہ اقبال کا صحیح نظریۂ حیات لوگوں تک پہنچ سکے۔

قابلِ صد مبارک ہیں ہمارے عزیز نوجوان سید نجم الحسن صاحب ایم۔ اے۔ بی ایڈ

جنھوں نے بڑی محنت اور عرق ریزی سے اقبال کے ان اشعار کو فراہم کیا، جن میں علامہ اقبال مرحوم اہلبیت رسول کی مقدس بارگاہ میں ہدیۂ عقیدت پیش کرتے ہیں۔ ان کے اشعار میں آل محمد سے ان کی ارادت اور محبت ٹپکتی ہے۔ وہ جس خلوص اور اخلاص کے ساتھ اس خانوادۂ عصمت و طہارت کا ذکر کرتے ہیں اور ان کی تعلیمات کو جس نظر سے دیکھتے ہیں، وہ ہمارے لئے مشعل راہ ہے۔

پھر لطف کی بات یہ ہے کہ مؤلف نے بڑی وسعت نظر سے اقبال کے عرفان کی ترجمانی کی ہے اور کافی حد تک وہ اس سے عہدہ برآ بھی ہوئے ہیں۔ دل تو چاہتا تھا کہ اقبال کے اس نقطۂ نظر کے بعض گوشے قارئین کی نذر کئے جاتے لیکن طوالت اور عدیم الفرصتی مانع ہیں۔ بہرصورت اقبالیات میں جس چیز کو عموماً مصلحت کے تحت عوام تک نہیں پہنچایا جاتا تھا، اس سیدزادے کی مساعی سے وہ آپ کے سامنے پیش ہے اور آپ کے فکر و نظر کے لئے دعوت ہے۔ جن کے دلوں میں اپنے اس قومی شاعر کی عقیدت ہے وہ ان اشعار کو پڑھیں گے اور آل محمد کی محبت سے اپنی دنیا اور آخرت کو سنواریں گے۔ حقیقت یہ ہے کہ دین و دنیا ہے بھی آل محمد کے قدموں میں ـــ کیوں نہ ہم اقبال کے ساتھ ہمنوا ہو کر کہیں۔ ؎

از ولائے دودمانش زندہ ام
در جہاں مثل گہر تابندہ ام

ناچیز :- سید نصیر حسین نقوی

دارالعلوم جعفریہ، کربلا خوشاب۔

دین و دنیا کی کامیابی کے لئے

انجمن غلامان اسلام پاکستان رجسٹرڈ

کے ساتھ تعاون کیجئے

بسم اللہ الرحمن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم

علامہ اقبال ایک ایسی جانی پہچانی شخصیت ہیں کہ ان کا نام زبان پر آتے ہی اسلامیانِ عالم کے سر عقیدت سے جھک جاتے ہیں۔ اقبال وہ مردِ مومن ہیں جنھوں نے ماحول پر چھا جانے کی تحریک کی۔ اقبال وہ مردِ مجاہد ہیں، کہ جنھوں نے صدیوں سے سوئی ہوئی قوم کو بیدار کیا۔ اس مفکرِ اسلام کا تخیل ہی فی الحقیقت ایک نئی سلطنت کے وجود میں آنے کا محرک ہوا۔ دنیائے اسلام کا یہ درخشندہ ستارہ افقِ اسلام پر اس وقت نمودار ہوا جب ہر طرف عدم اطمینان، بے یقینی، بداعتمادی بزدلی اور ایمانی کمزوری کی آندھیاں چل رہی تھیں۔ علامہ اقبال نے قوم کی غفلت پر جو دردناک نالے بلند کیے، وہ آسمانی رفعتوں کو چیر کر فلک الافلاک تک پہنچے۔ ان کی آہِ سحرگاہی نے وہ کام کیا جو بڑے بڑے سیاستمداروں کی سیاست، شعلہ زا خطیبوں کی خطابت اور واعظانِ بے بدل کے وعظ نہ کر سکے۔ اقبال کی بانگِ درا نے قوم کے لئے صورِ اسرافیل کا کام کیا۔ ان کی زبورِ عجم اور پیامِ مشرق نے دنیائے اسلام کے رشتوں کو جوڑا۔ ان کے اسرارِ خودی اور رموزِ بیخودی نے مسلمانوں کو خود آگاہ کیا۔ اور خودی و بیخودی کے قالب سے پردہ اٹھایا۔

اقبال کا فلسفہ زندگی کا فلسفہ ہے۔ ان کا فن ان کے اشعار میں نہیں بلکہ اُن کے افکار میں ہے۔ ان کے جسم میں ایک مصلح قیادت کارفرما تھی۔ ان کی روح وہ صداقت پسند، نظم آفرین اور عرفان جو رُوح ہے جو جذبۂ دین کے تحت انفرادی اور اجتماعی زندگی میں نظم و ضبط قائم کرنا چاہتی ہے۔ وہ حکیم بھی ہے اور نکتہ داں بھی۔ وہ فلسفی بھی ہیں اور شاعرِ خوشنوا بھی۔ ان کے ہاں دردو سوز بھی ہے اور رندی و مستی بھی۔ عقل اور عشق کی ابدی کشمکش بھی ہے اور حسن کی کرشمہ سازیوں کی نقاشی بھی۔ ان کی نظر

حقیقت اور مجاز دونوں کو بے نقاب کرتی ہے۔ وہ کبھی والہانہ انداز میں انسانی جذبات کی ترجمانی کرتے ہیں اور کبھی بلند فلسفیانہ افکار سے زندگی کے سربستہ رازوں کو بے نقاب کرتے ہیں۔ وہ کبھی زندگی کے قافلہ کو طوفانوں کی طرف بڑھاتے ہیں اور کبھی اپنے علم پرور اور حکیمانہ مشوروں سے نظم و ضبط کی تعلیم کرتے ہیں۔ غرض زندگی کی ہنگامہ آرائیوں کا کوئی بھی پہلو اُن کی چشم بصیرت سے پوشیدہ نہیں۔ وہ اس حقیقت کا اظہار ان الفاظ میں فرماتے ہیں:- ؎

مری نوائے پریشاں کو شاعری نہ سمجھ ٭ کہ میں ہوں محرمِ رازِ درونِ میخانہ

علامہ اقبال کا کلام ایک بحرِ بے پایاں ہے۔ ان کا ہر شعر اپنے اندر ایک بسیط پیغام سموئے ہوئے ہے۔ آپ نے جہاں مسلمانوں کو جہانبانی کے گُر سکھائے وہاں انھیں اپنے آبا و اجداد کی روح پرور زندگیوں کے مختلف گوشوں کی سیر بھی کرائی، اور یہ احساس پیدا کیا کہ اس عالمِ سفلی میں صرف مسلمان ہی ایک ایسی قوم ہے جس کے پاس ایک مکمل ضابطۂ حیات موجود ہے۔ آپ مسلمانوں کو جھنجوڑ جھنجوڑ کر اپنا مقام پہچاننے کی تلقین کرتے ہیں۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو شاعر نہیں، بلکہ قوم کے قافلہ سے بچھڑی ہوئی اونٹنی کو قافلہ کی طرف لیجانے والے حدی خواں بن جاتے ہیں اور فرماتے ہیں ؎

نغمہ کجا و من کجا، ساز و سخن بہانہ الیست
سوئے قطار می کشم، ناقۂ بے زمام را

علامہ اقبال نے جہانبانی کے مختلف انداز کا مطالعہ کیا۔ اُسے عقل و خرد کے معیار پر پرکھا اِن کے معائب او محاسن پر نظر ڈالی اور ہر ایک کے متعلق الگ الگ اظہارِ خیال کیا۔

اشتراکیت کے متعلق آپ کا فیصلہ یہ ہے کہ

کردہ ام اندر مقاماتش نگاہ ٭ لاسلاطیں، لاکلیسا، لا الٰہ
فکر او در تندوبر بالا بماند ٭ مرکب خود را سوئے الا نہ راند
از مقام لا نیاساید حیات ٭ سوئے الّا مے خرامد کائنات

جمہوریت کی تعریف ان الفاظ میں کی :-

اِس رازکو اِک مردِ فرنگی نے کیا فاش ۔ ہر چند کہ دانا اِسے کھولا نہیں کرتے
جمہوریت اک طرزِ حکومت ہے کہ جس میں ۔ بندوں کو گِنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے

ملوکیت کی ہیئت کذائی کا خاکہ اِن الفاظ میں پیش کیا:- ؎

مُلوکیت ہمہ مکر است و نیرنگ ملوکیت سراپا شیشہ بازی

لے دے کے اگر کوئی نظامِ حکومت ان کی نظروں میں جچتا ہے تو وہ قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں خصوصاً آلِ محمدؐ کا اسوۂ حسنہ ہے۔ وہ اپنے اعتقاد کے متعلق جب بھی اظہار کرنا چاہتے ہیں تو انھیں سوائے آلِ محمدؐ کے مذہب کے اور کہیں پناہ نہیں ملتی۔ وہ عشقِ محمدؐ و آلِ محمدؐ کے مقابل عقل کی فسوں کاریوں کو ہیچ سمجھتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں:- ؎

من بندۂ آزادم عشق است امامِ من ۔ عشق است امامِ من عقل است غلامِ من
ہنگامۂ این محشر، از گردشِ جامِ من ۔ این کوکب شامِ من، این ماہِ تمامِ من

جس عشق کو وہ اپنا راہبر اور راہنما تصور کرتے ہیں اس کی مدح میں اس طور پر رطب اللسان ہیں:- ؎

صدقِ خلیلؑ بھی ہے عشق، صبرِ حسینؑ بھی ہے عشق
معرکۂ وجود میں، بدر و حنین بھی ہے عشق

پھر فرماتے ہیں:- ؎

کمالِ عشق و مستی ظرفِ حیدرؑ زوالِ عشق و مستی حرفِ رازی

اقبال جلوۂ دانشِ فرنگ سے مرعوب نہیں بلکہ سراسر اسے عاجز اور کم مایہ ثابت کرتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ میں رمز شناسِ حقیقت ہوں۔ میں بندۂ محمد مصطفٰے علیہ السلام اور حکیم الملت علی المرتضٰی کا غلام ہوں۔ اس لئے فرنگی عقل و دانش میرے لئے کوئی حقیقت نہیں رکھتے کیونکہ میرے سامنے اسوۂ رسولؐ اور کردارِ علیؑ موجود ہے۔ ؎

خیرہ نہ کر سکا مجھے جلوۂ دانشِ فرنگ سرمہ ہے میری آنکھ کا خاکِ مدینہ و نجف

علامہ اقبال جہاں مذہب اسلام کے سوا تمام مذاہب کو ناممکن اور نامکمل خیال

کرتے ہیں وہاں انھیں نیم ملاؤں کی مذہب اسلام پر ٹھیکیداری بھی ایک آنکھ نہیں بھاتی۔ وہ ان کی خود رائی اور خود بینی کے خلاف یوں صدائے احتجاج بلند فرماتے ہیں :۔

غضب ہے یہ مرشدان خود بیں، خدا تری قوم کو بچائے
بگاڑ کر تیرے مسلموں کو، یہ اپنی عزت بنا رہے ہیں

وہ مذہب کے ان ٹھیکیداروں کے اعمال کی یوں پردہ دری کرتے ہیں :۔

یہی شیخ حرم ہے جو چرا کر بیچ کھاتا تھا ؛ گلیم بوذرؓ و دلق اویسؓ و چادر زہراؓ

صرف یہی نہیں بلکہ وہ انکے دلوں کو نور اسلام سے عاری۔ ان کے دماغوں کو تعلیم اسلام سے خالی۔ ان کے اعمال اور کردار کو خود ان کے ادّعا اور احکام اسلام کے خلاف پاکر انھیں اسلام کا باغی تصور کرتے ہیں۔ وہ واعظ کو عالم بے عمل اور اس کے ہتھکنڈوں کو شکم پروری کا ذریعہ خیال کرتے ہیں۔ نام نہاد پیروں کو عیش و عشرت کا دلدادہ پاتے ہیں جو عوام کے گاڑھے پسینے کی کمائی پر داد عیش دیتے ہیں۔ وہ اپنے اس درد کا اظہار ان الفاظ میں فرماتے ہیں :۔

ہم کو تو میسّر نہیں مٹی کا دیا بھی ؛ گھر پیر کا بجلی کے چراغوں سے ہے روشن

بعینہ مدعیان فقر کے اس فقر اور انداز کار سے بھی اختلاف ہے جو انسانی خودی اور غیرت کو یکسر نابود کر کے پست ہمتی، کوتاہ کاری اور بزدلی کی تعلیم دے۔ وہ اس کو الفقر فخری کی تعلیم کے منافی پاتے ہیں۔ وہ فقر کی متضاد مروجہ صورتوں کو پیش کر کے ان کے خصائص کو یوں پیش کرتے ہیں :۔

اک فقر سکھاتا ہے صیاد کی نخچیری ، اک فقر سے کھلتے ہیں اسرار جہانگیری
اک فقر سے قوموں میں مسکینی و دلگیری ، اک فقر سے مٹی میں خاصیت اکسیری

انھیں اسلامی فقر کی جھلک اسوۂ رسولؐ کے بعد جناب شیر خداؓ کے اسوہ میں نظر آتی ہے۔ جس کو وہ دارا اور سکندر کی شان و شوکت اور نام و نمود سے بدرجہا بہتر پاکر کھلے بندوں اعلان فرماتے ہیں کہ :۔

دارا و سکندر سے وہ مرد فقیر اولیٰ ؛ ہو جس کی فقیری میں بوئے اسد اللّٰہی

پھر یکایک ان کی نگاہیں فقرِ شمشیر پر آکر رکتی ہیں اور بے اختیار چلا اُٹھتے ہیں :۔ ؎

اک فقر ہے شبیری، اس فقر میں ہے میری ؛ میراثِ مسلمانی، سرمایۂ شبیری

اقبالؔ فقرِ شبیر کو سرمایۂ اسلام اور میراثِ مسلمانی تصور کرتے ہیں ۔ وہ توقع رکھتے ہیں کہ مسلمان اپنے اس قیمتی سرمایہ سے بیگانہ نہ ہو پائے ۔ وہ جہاں ضربِ ید اللٰہی کو روحِ قرآنی کی تخلیق کا موجب گردانتے ہیں وہاں فقرِ شبیر کو ملت کی پیشانی کا نور تصور کرتے ہیں ۔ ؎

ہوئی ضربِ ید اللٰہی سے پیدا روحِ قرآنی ٭ تو چمکی سجدۂ شبیر سے ملت کی پیشانی

انھیں دنیائے اسلام میں انہی ذواتِ مقدسہ اور ارواحِ مطہرہ کے کردار قابلِ تقلید نظر آتے ہیں ۔ اور وہ مختلف الفاظ اور متنوع انداز میں ان کی تقلید کی ترغیب دیتے ہیں ۔ ان کی آخری تمنا یہ ہے کہ مسلمانوں کا دل مہر و وفا کا مرکز ہو ۔ اُسے حریمِ کبریا کا صحیح شعور ہو ۔ اس کا ایمان کامل ہو ۔ اس کا یقین راسخ ہو ۔ اس کا عمل پیہم ہو اور عشق صادق ہو ۔ وہ انھیں صفاتِ حسنہ کے مداح ہیں اور دل کی بات یوں زبان پر لاتے ہیں :۔ ؎

یقیں محکم، عمل پیہم، محبت فاتحِ عالم ٭ جہادِ زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں

پھر بارگاہِ ایزدی میں دستِ بدعا ہو کر یہ التجا کرتے ہیں کہ بارِ الٰہا! :۔ ؎

دلوں کو مرکزِ مہر و وفا کر ! ٭ حریمِ کبریا سے آشنا کر !!

جسے نانِ جویں بخشی ہے تو نے ٭ اُسے بازوئے حیدرؓ بھی عطا کر

انھیں یہی بات مرغوب ہے کہ مسلمان اپنی غربت اور تنگدستی پر صابر و شاکر ہو کر خوئے اسد اللٰہی پیدا کرے ۔ اپنی عسرت کی زندگی سے دل برداشتہ نہ ہو ۔ وہ کفر کے قلاع خیبر کو بیخ و بن سے اکھیڑ پھینکے اور ان قلاع کے مرحبوں کی گردنیں مروڑ دے ۔ اس لئے وہ مسلمان کو ہدایت کرتے ہیں کہ :۔ ؎

تری خاک میں ہے اگر شرر تو خیالِ فقر و غنا نہ کر
کہ جہاں میں نانِ شعیر پر ہے مدارِ قوتِ حیدری

پھر فرماتے ہیں :۔ ؎

چوں غسلے در ساز بابانِ شعیر ؎ گردنِ مرحب شکن خیبر بگیر

علامہ اقبال ہمیں آگاہ کرتے ہیں کہ دنیا کی طاغوتی طاقتوں کو کچلنے کے لئے ترک دنیا کی تعلیم کبھی کارگر نہیں ہوسکتی اور نہ ان لوگوں کی تقلید موثر ہوسکتی ہے۔ جس کے متعلق ع۔ اُو خویشتن گم است کرا رہبری کند۔ کا قول صادق ہے۔ بلکہ یہ فیض صرف مولائے مشکلکشا شیر خدا کی تقلید اور پیروی سے ہی حاصل ہوسکتا ہے۔ اگر انسان انکی غلامی کا جُوا گردن میں ڈال لے تو پھر اُسے نہ شمشیر کی ضرورت ہے نہ خنجر درکار۔ اس کے لئے اس کا یقین ہی شمشیر کا کام کرتا ہے۔ اس کا ثبوت یوں پیش کرسکتے ہیں کہ نانِ شعیر سے قوت لایموت حاصل کرنے والے جب قوتِ ایمانی کو لے کر اُٹھتے ہیں، تو اُن کی یہی قوت شمشیر بن جاتی ہے اور ان کے پنجوں میں وہ قوت آجاتی ہے جو سلاح کی محتاج نہیں۔ ملاحظہ ہو آپ کا یہ شعر ؎

پنجۂ حیدر کہ خیبر گیر بود ؎ قوتِ اُو ازیں ہمیں شمشیر بود

تاریخ عالم شاہد ہے کہ غلامانِ علیؑ کو وہ قوتیں نصیب ہوئیں جن کو دیکھ کر ناطقہ سر بگریباں ہے۔ اسے کیا کہئے کہ ان کے لئے تسخیر ارض تو کیا تسخیر کائنات ممکن ہوجاتی ہے۔ وہ ستاروں پر کمندیں ڈال سکتے ہیں۔ وہ سورج کو پابند کرسکتے ہیں۔ اور دنیا والوں پر یہ ثابت کرسکتے ہیں کہ اس در کے گدا دنیا کے شاہوں سے بدرجہا اولیٰ اور اعلیٰ ہیں۔

یاد کیجئے دمشق کا واقعہ جب ایک محب علیؑ فرمودات علیؑ کے اظہار کا اس وقت موقع پا گیا جب سورج غروب ہورہا تھا۔ مفسدین کا دلی منشا اقوال علیؑ کی سماعت نہ تھا۔ وہ اس عاشق علیؑ کا مذاق اُڑانا چاہتے تھے۔ وہ کھلم کھلا انکار نہیں کرنا چاہتے تھے لیکن دلی سازش یہ تھی کہ ادھر یہ ممبر پر کھڑا ہو اُدھر سورج غروب ہوجائے۔ مغرب کی اذان کا اہتمام کریں اور اس ترکیب سے اظہار حق کا موقع سلب کرلیں۔ لیکن ہوا کیا علیؑ کے اس ادنیٰ غلام کے حکم پر سورج رُک گیا اور اس وقت تک پابہ زنجیر کھڑا رہا جب تک اُس بندۂ خدا نے اپنی تقریر ختم نہ کرلی اور اُسے غروب کی اجازت نہ دی۔

(سید الاوصیاؑ از مولانا عارف حسین بحوالہ صواعق محرقہ) ۔ ؎

زحیدریم من و تو زما عجب نبود گر آفتاب سوئے خاوراں بگردانیم

یہی تھے وہ اسباب و شواہد جن کو دیکھ کر علامہ اقبال سے نہ رہا گیا اور انھوں نے بے اختیار ہو کر کہہ دیا ۔ اے مسلمان ! جب تک تجھ میں زورِ حیدرؑ اور استغنائے سلمانی پیدا نہ ہو، اس وقت تک شکوہِ خسروی بیکار ہے ۔

امارت کیا شکوہِ خسروی بھی ہو تو کیا حاصل ؛ نہ زورِ حیدری تجھ میں نہ استغنائے سلمانی

انھیں حضرت علیؑ کی دیگر صفات کے علاوہ صفتِ کرّاری بھی پسند ہے اور یہ صفت اقبال کی نگاہوں میں صرف حیدرِ کرّار کو ہی نصیب ہے ۔ آپ اس صفت کے بغیر جہان کو بے ثبات اور حیاتِ انسانی کو ناممکن تصوّر کرتے ہیں ۔ ملاحظہ ہوں مندرجہ ذیل اشعار :۔

می شناسی معنیٔ کرّار چیست ؟ ؛ ایں مقامے از مقاماتِ علیست

امتاں را در جہانِ بے ثبات ؛ نیست ممکن جز بکرّاری حیات

یعنی تو کیا جانتا ہے کہ 'کرّاری' کے کیا معنی ہیں ۔ اگر نہیں جانتا تو آ، میں تجھ کو بتاؤں کہ یہ بھی صفاتِ حیدری میں سے ایک صفت اور مقاماتِ علیؑ میں سے ایک مقام ہے اور جہانِ بے ثبات میں قوموں کی زندگی کو اسی صفت سے ثبات نصیب ہے ۔ اس لئے وہ تلقین کرتے ہیں کہ :۔ ؎

امیرِ قافلہ سخت کوش و پیہم کوش ؛ کہ در قبیلۂ ما حیدری ز کرّاری ست

یعنی اے امیرِ قافلہ کوشش اور عملِ پیہم سے گریز نہ کر، کیونکہ تو اوصافِ حیدری اُس وقت ہی حاصل کر سکتا ہے، جب اپنے آپ میں صفتِ کرّاری پیدا کر لے ۔

علامہ اقبال کو اِن مدّعیانِ اسلام کا کردار بھی پسند نہیں جن کے اقوال و افعال میں بعد المشرقین ہے ۔ وہ اپنے اس یقین کے اظہار سے کسی حد تک ہچکچاتے ہیں لیکن چپ رہ بھی نہیں سکتے ۔ چنانچہ اس کمزوری کو اپنے آپ سے منسوب کر کے ان کے اعمال کا کچا چٹھا یوں کھولتے ہیں :۔ ؎

اقبال بڑا اپدیشک ہے من باتوں میں موہ لیتا ہے
گفتار کا غازی بن تو گیا کردار کا غازی بن نہ سکا

آپ اس دین اسلام کے متمنی ہیں جو بانیان اسلام نے پیش کیا۔ اور جس کے فرامین پر آئمہ طاہرین نے عمل کرنے والوں کے لئے صراطِ مستقیم قائم کر دیا۔ آئمہ طاہرین کے کردار مثالی کردار ہیں۔ اور اقبال ان ذوات مقدسہ کی تقلید کو ہی فائز المرام ہونے کا ذریعہ اور نجات کا وسیلہ خیال کرتے ہیں۔

ان کے کلام میں لاتعداد اشعار ایسے ہیں جن کے ذریعے وہ مسلمانوں کو آگاہ کرتے ہیں کہ اگر وہ دنیا میں کامیاب زندگی چاہتے ہیں اور آخرت میں نجات چاہتے ہیں تو وہ اسوۂ رسولؐ کو اپنائیں۔ آپ اسوۂ رسولؐ کے بعد اسوۂ علیؑ کے یوں دلدادہ ہیں اور آپ کا کردار انھیں یوں مرغوب ہے کہ وہ ان کے مدفن کو مدینۃ النجف قرار دیتے ہیں اور امتِ علیؑ میں سے ہونے کو اپنا فخر محسوس کرتے ہیں :۔

نجف میرا مدینہ ہے مدینہ ہے مرا کعبہ ؎ میں بندہ اور کا ہوں امتِ شاہِ ولایت ہوں

ان کے خیال میں اسلام اور مسلمانوں کی بقا کا راز ان ارواح مقدسہ کے اسوۂ کامل پر عمل میں مضمر ہے جنھوں نے نخل اسلام کی آبیاری اپنے افراد کنبہ کے خون سے کرنے سے دریغ نہ کیا۔ آپ کے کلام میں اگرچہ چہاردہ معصومین علیہم السلام میں سے ہر ایک کے متعلق بے شمار اشعار موجود ہیں اور ان میں سے ہر ایک کو وہ مکمل ضابطۂ حیات پاتے ہیں۔ لیکن خاص طور پر وہ ستودہ صفات رسولؐ اکرم۔ علیؑ المرتضیٰ۔ فاطمۃ الزہراؑ اور حسینؑ شہید کربلا کے متعلق واضح طور پر اپنا ایمان پیش کرتے ہیں۔ آپ نے جناب ختمی مرتبت کی شان میں اس کثرت سے اشعار لکھے ہیں جن کا احصاء مشکل ہے۔ جن کا یکجا کرنا اگر دشوار نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ چہ جائیکہ ان کی کماحقہٗ وضاحت بھی پیش کی جاسکے۔ اس لئے اس موضوع کو کسی اور وقت پر چھوڑتے ہوئے اس وقت صرف آلِ محمدؐ کے متعلق اقبال کے افکار و خیالات پیش کئے جاتے ہیں تاکہ ایک طرف تو ان ذوات مقدسہ کا صحیح تعارف ہو جائے اور دوسری طرف اقبال کے مذہب کا راز کھل جائے اور ساتھ ہی یہ بھی واضح ہو جائے کہ جس اقبال کا نام سنتے ہی ہمارے سر عقیدت سے جھک جاتے ہیں اُس کا اپنا سر عقیدت کس کس بارگاہ پر جھکتا ہوا نظر آتا ہے۔ اور کن ارواح مطہرہ کو

وہ اپنا نجات دہندہ تصور کرتے ہیں۔

لیجئے اب فرداً فرداً ہر ایک کی شان کے اشعار پیش کرنے کی سعادت حاصل کی جاتی ہے۔ سب سے پہلے سرخیلِ اوصیاء شیرِ خدا علی المرتضیٰ سے اقبال کی عقیدت کا عکس اشعار کے آئینہ میں پیش کیا جاتا ہے۔ سہ

انجمن کی مطبوعات

اسلام اور تربیت اطفال :- بچوں کی تربیت ایک اہم ذمہ داری ہے۔ اسلام کے نزدیک اس کی اہمیت اور اس کے اصول زیرِ نظر کتابچہ میں موجود ہیں۔ والدین کے لئے اس کا مطالعہ ازحد ضروری ہے۔

سبز کتاب :- قوم کی تنظیم نو وقت کی ایک اہم ضرورت ہے۔ اس کتاب میں تنظیم سے متعلق مختلف پہلوؤں کا جائزہ لیا گیا ہے۔ قومی درد رکھنے والوں کے لئے ایک بہترین کتاب ہے۔

رفیقِ زنداں :- پاکستانی جنگی قیدیوں کی قید کو پیش نظر رکھ کر یہ کتاب تحریر کی گئی ہے۔ اس کا مطالعہ قیدی کی تنہائی کا بہترین ساتھی ہے۔ قصۂ حضرت یوسفؑ بڑے دلچسپ، اچھوتے انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ کتاب کا مطالعہ ختم کئے بغیر کتاب کو ہاتھ سے رکھنے کو جی نہیں چاہتا۔ محدود کاپیاں باقی ہیں۔ آج ہی آرڈر دے کر منگوا لیں۔

رہبرِ زندگی :- اس کتاب میں اسلامی نقطہ نظر سے بہترین زندگی کے جملہ اصولوں کو بیان کیا گیا ہے۔ اچھی زندگی گذارنے کے لئے ایک بہترین رہنما ہے۔
(زیرِ تصنیف)

دوسرا سالانہ جلسہ

انجمن کا دوسرا سالانہ جلسہ ۱۷ اپریل ۱۹۷۳ء بروز اتوار منعقد ہوا۔ ممبران انجمن کے علاوہ عام مجمع نے بھی کافی تعداد میں شرکت کی۔ جلسہ کی پہلی نشست ۱۰ بجے شروع ہو کر ۲ بجے بعد دوپہر اختتام پذیر ہوئی۔ باجماعت نماز ظہرین کی ادائیگی کے بعد دوسری نشست کا آغاز ہوا۔ جو ۶ بجے شام ختم ہوئی۔

آغا سید واصف حسین صاحب رہال۔ مولوی سید شبیر حسین شاہ صاحب عباس پوری۔ مولوی غلام عسکری صاحب جہلم۔ مولوی زوار حسین صاحب لائل پور۔ کپتان عبدالمجید صاحب دہگوال۔ سید اظہر حسین صاحب اظہر کاظمی ایم۔ اے منڈی بہاءالدین اور مولوی سید عابد حسین شاہ صاحب مگھوال نے اپنے اپنے مخصوص رنگ میں عالمانہ تقاریر سے سامعین کو محظوظ فرمایا۔

ذاکر اہلبیت ملک نذر حسین صاحب نذر۔ ذاکر غلام اکبر صاحب وہالی نے کامیاب ذاکری فرمائی۔

دوسری نشست کے دوران جنرل سکرٹری نے انجمن کی گذشتہ سال کی کارکردگی سے حاضرین کو آگاہ کیا۔ عوام نے انجمن کی خدمات کو بے حد سراہا۔ جلسہ ہر لحاظ سے کامیاب رہا جلسہ کی کامیابی کے لئے مقررین، ذاکرین، سامعین اور منتظمین حضرات نے جو تعاون کیا ہم اس کے لئے تہ دل سے مشکور ہیں۔ خداوند عالم سب حضرات کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

آئندہ سالانہ جلسہ اپریل کے پہلے اتوار کو ہوگا۔ جلسہ کا پروگرام بعد نماز ظہرین شروع ہوگا۔ اور نماز مغربین تک ہوگا۔ رات کو انجمن کا اجلاس خصوصی ہوگا۔ امید ہے۔ شرکت فرما کر شکریہ کا موقع دیں گے۔

شخصیتِ علیؑ

علیؑ نام ہے ایک ایسی ہستی کا، جس کا نام علی العلیٰ نے اپنے نام سے مشتق کیا۔ جس کی پیدائش عین جوفِ کعبہ میں ہوئی۔ اور جو عین سجدہ کی حالت میں خانہ خدا کے اندر بے جرم و بے خطا شہید ہوا۔ کعبہ میں علیؑ کا پیدا ہونا ایک ایسی فضیلت ہے جو سوائے علیؑ کے آج تک کسی کو حاصل نہ ہوئی۔ علیؑ نے دنیا میں جو چیز سب سے پہلے دیکھی وہ چہرۂ رحمت اللعالمین تھا۔ جو شے سب سے پہلے چکھی وہ وَمَا یَنطِقُ عَنِ الْہَوٰی کے مصداق نبیؐ کا لعاب دہن تھا۔ جو کلام سب سے پہلے کیا وہ تلاوتِ کلامِ خدا تھی۔

علیؑ کا بچپن بھی تمام لوگوں کے بچپن سے نئی شان کا حامل ہے۔ سوائے علیؑ کے کسی کو رسولِ مقبول نے اتنا عرصہ اپنی پرورش میں نہ رکھا جتنا عرصہ علیؑ کو رکھا۔ علیؑ نے پرورش پائی تو زبانِ رسالت چوس چوس کر، اگر کھیلے تو رسالت کی گود میں۔ اگر سوئے تو واللیل کی زلفوں کے سائے میں۔ اگر آداب سیکھے تو خلقِ عظیم کے مالک سے اور پڑھا تو اُمّی نبیؐ سے۔

علیؑ ایک ایسا عابد ہے کہ جس نے ساری عمر میں ایک بھی نماز قضا نہ کی۔ جس نے اُس وقت اللہ کی عبادت کی، جبکہ سوائے محمدؐ کے کوئی اور عبادت کرنے والا نہ تھا۔ جس نے ۶۳ سال کی عمر میں ایک رات کے سوائے ہر رات میں ہزار رکعت نماز نوافل ادا کی اور جس نے بسترِ رسولؐ پر نیند کے مزے لوٹے۔ اس رات "مرضات اللہ" کی سند اللہ تعالیٰ سے حاصل کی۔ حتیٰ کہ جس نے سر کٹایا تو سجدۂ حق میں۔ جو سویا تو اللہ کی خاطر۔ جو جاگا تو معبودِ حقیقی کے کاموں میں مصروف رہا۔ علیؑ فرمایا کرتے تھے کہ میں خدا کی عبادت کسی لالچ یا ڈر یا محض اس کے حکم کی وجہ سے نہیں کرتا بلکہ اس لئے کرتا ہوں کہ سوائے اُس کے

اور کوئی عبادت کے لائق نہیں۔

علیؑ ایک ایسا بہادر ہے کہ جس نے تمام عمر جنگوں میں گزاری۔ لیکن کسی ایک جنگ میں بھی نہ ہی پشت دکھائی اور نہ شکست کھائی۔ جس نے ایک بھی انتقامی جنگ نہ کی بلکہ اس کی ہر جنگ اور ہر جنگ کا ہر اقدام محض اللہ کی رضا کے لئے تھا۔ جس کا اپنا کوئی دشمن نہ تھا۔ مگر پھر بھی اس کے لاتعداد دشمن تھے۔ وہ اس لئے کہ علیؑ اجرائے کلمۃ الحق کے لئے کسی بڑے سے بڑے سرکش اور قریب سے قریب رشتہ دار کی رعایت نہیں کرتا تھا۔ جو ازل سے ابد تک بہادروں کا سرخیل، استاد اور رہنمائے کامل ہے۔ ہر زمانے کے سورما اس کی پیدائش سے پہلے بھی، اس کی زندگی میں بھی اور اسکی شہادت کے بعد بھی اس سے سبق سیکھتے ہیں۔

علیؑ ایک ایسا عالم ہے، جسے رحمۃ للعالمین نبیؐ اور وجہ تخلیق کائنات ہستی نے بَابُ الْعِلْم کا خطاب دیا۔ جو تمام عالموں کے علم سے نو گنا علم رکھتا تھا۔ زندگی بھر کوئی ایسا مسئلہ پیش نہ آیا جس کو علیؑ حل کرنے سے قاصر رہا بلکہ زمانہ کے بڑے بڑے کشورکشاؤں اور تمام نہاد عالموں کو اکثر علمی مسائل میں علیؑ کے دروازے پر جبہ سائی کئے بغیر چارہ نہ رہا۔ اور وہ یہ کہنے پر مجبور ہو گئے کہ اگر علیؑ نہ ہوتا تو وہ ہلاک ہو جاتے علیؑ نے برسر ممبر ہزاروں کے مجمع میں ایک بار نہیں کئی بار فرمایا "سلونی قبل ان تفقدونی" مجھ سے پوچھ لو قبل اس کے کہ میں تم میں نہ رہوں۔ ابی طالب کا بیٹا زمین کی نسبت آسمانوں کی راہوں کو زیادہ جانتا ہے۔ اور جس کا فرمان ہے کہ اگر حجابات آسمان میرے سامنے سے ہٹا دئے جائیں تو بھی میرے یقین میں بال برابر اضافہ نہ ہو گا۔ افسوس! کہ عرب کے بدوؤں نے علیؑ پر یقین نہ کیا۔ کام کی باتیں پوچھنے کے بجائے اونٹوں کے بالوں کی تعداد پوچھتے رہے۔ علیؑ سے علم کے چشمے پھوٹے اور ان چشموں نے آگے چل کر تمام دنیا کو محیط کر لیا۔ آج علم کی وہ کونسی شاخ ہے جس کی ابتدا علیؑ نے نہ کی ہو۔ فن خطابت وکتابت "علم صرف ونحو" اور علم نقطہ کے موجد بےنظیر خطیب۔ شاعر۔ ادیب، فصاحت وبلاغت کے ماہر اور تاریخ داں علیؑ تھے

علیؑ ایک ایسا مفتی ہے کہ جس نے تمام زندگی میں ایک بھی فتویٰ قانون الہیٰ کے خلاف نہ دیا۔ جس کی ہر بات ہمیشہ کامیاب اور درست رہی۔ جس نے محض اس لئے اپنے جانی دشمن سے صلح نہ کی کہ اس کا عمل خلاف شرع محمدی تھا۔ علیؑ نے اپنے بھائی کو محض اس لئے ناراض کر لیا کہ آپ نے اُن کے شرعی حق سے زیادہ بیت المال سے حصہ نہ دیا۔ اور جس کے انصاف کا یہ معیار تھا کہ بیت المال کا چراغ صرف بیت المال کے حساب کے لئے جلایا جاتا تھا۔ اگر کوئی آدمی کسی ذاتی غرض کے لئے آتا تو اُس سے گفتگو کے دوران بیت المال کا چراغ گل کر دیتے۔ علیؑ بیت المال کو اس وقت تک نہ چھوڑتے جب تک تمام آدمی مستحقین میں تقسیم کر کے بیت المال میں اپنے ہاتھ سے جھاڑو نہ پھیر دیتے۔ علیؑ کا ہر فتویٰ قرآن مجید اور سنت رسولؐ کی عکاسی کرتا ہے۔ جس نے کبھی بھی اجماع یا اشباع کی بنا پر فتویٰ نہ دیا اور جس کا فتویٰ شاہ و گدا اپنے اور غیر کے لئے یکساں ہوتا۔

علیؑ ایک ایسا مشکل کشا ہے کہ جس نے ہمیشہ مشکل میں مبتلا لوگوں کی مدد کی۔ دنیا میں آنے سے پہلے بھی، دنیا میں رہنے کے دوران بھی اور آج بھی لوگوں کی مدد کر رہا ہے۔ اس نے جہاں بڑے بڑے نبیوں۔ راہنماؤں، متقیوں اور حکمرانوں کی مدد کی وہاں علیؑ نے عامی سے عامی کی پکار پر بھی اسے اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کا حوصلہ و طاقت دی۔ علیؑ نے آدمؑ کی توبہ میں۔ نوحؑ کی کشتی ڈگمگانے میں۔ ادریسؑ کی چلتے آرے کے نیچے یونسؑ کی مچھلی کے پیٹ میں۔ ابراہیمؑ کی آتش نمرود میں گرتے وقت۔ اسمٰعیلؑ کی ذبح کے وقت چھری کے نیچے۔ موسیٰؑ کی طور پر جلوہ قدرت دیکھتے وقت دریائے نیل کو عبور کرتے ہوئے اور عیسیٰؑ کی سولی پر چڑھتے وقت۔ اوہم کی [illegible] میں۔ بدھ کی ریاضت میں۔ نانک کی دم کشی میں۔ محمد مصطفےٰ کی ہجرت کی رات میں۔ اُحد کے میدان اور حنین کے معرکہ میں مدد کی۔ علیؑ نے لوگوں کی مشکلات اس وقت بھی حل کیں۔ جب وہ خود زندگی کے بڑے مشکل مرحلے سے گذر رہے تھے۔

علیؑ ایک ایسا سخی ہے جو تمام دنیا کے سخی آدمیوں کا سردار ہے۔ جس کے سامنے حاتم کی

سخاوت بے معنی ہو کر رہ جاتی ہے جو ایک ہی بار سائل کو اتنا کچھ دے دیتا تھا کہ پھر اس کی کئی پشتوں کو سوال کرنے کی حاجت نہ رہتی۔ جس نے روٹی کے بدلے نشتر اونٹوں کی زر سے لدی ہوئی قطار سائل کو دے دی۔ جس نے کئی بار اپنے بیٹوں کو لوگوں کی مدد کے لئے فروخت کیا۔ جو خود بھوکا رہتا لیکن لوگوں کو کھلاتا۔ جو خود بے آرام رہتا مگر دوسروں کو آرام پہنچاتا جو خود مصائب برداشت کرتا لیکن دوسروں کے لئے آسائش مہیا کرتا۔ جس کے دروازے سے کبھی کوئی حاجتمند خواہ وہ رئیس ہوتا یا فقیر، خالی نہ جاتا۔

علیؑ ایک ایسا طاہر ہے جس پر خود طہارت ناز کرتی ہے۔ آدمؑ سے لے کر اس کے والد جناب ابوطالبؑ تک اُس کا نور ہمیشہ پاک و پاکیزہ اور مواحد صلبوں میں چلا آیا۔ جس کا خسر سید الطاہرین۔ جس کے بیٹے مجسمۂ طہارت۔ ایک نہیں پورے گیارہ۔ جس کی بیوی طاہرہ، صدیقہ و بتول۔ پاکدامن، عفیفہ اور معظمہ۔ جس کی بیٹیاں عفت و طہارت کے نمونے۔ جس کے سلسلۂ نسب میں معصومین کی اتنی تعداد کہ کسی اور کو نصیب نہ ہوئی علیؑ نے نہ کبھی مادی اور نہ ہی کبھی روحانی غلاظت کو پاس پھٹکنے دیا۔ حتیٰ کہ قرآن نے سند لکھ دی کہ اے اہلبیتؑ نبوت اللہ چاہتا ہے کہ تمہیں رجس سے ایسے پاک رکھے جیسا پاک رکھنے کا حق ہے۔ جو اتنا طاہر کہ نفس سید المرسلین بنا۔ جو اتنا پاکدامن کہ مخلوقاتِ خدا میں صرف ایک ہستی اس سے ارفع ہو گئی۔ یعنی وہ اپنے راہنما جناب محمد مصطفٰےؐ کے بعد ہر کسی سے پاکدامن ہیں۔ جس کے سوا کسی کو مسجد میں سونے کی اجازت نہ تھی۔ اور سوائے علیؑ کے کسی کا دروازہ مسجد کی طرف کھلا نہ رکھا گیا۔

علیؑ ایک ایسا زاہد ہے، جس نے زہد کا ریکارڈ قائم کیا جو آج تک کوئی بھی اس ریکارڈ کو توڑنا تو درکنار اس تک پہنچ بھی نہ سکا۔ علیؑ نے ہمیشہ حقوق اللہ، حقوق العباد اور حقوق النفس کو ایسے پورا کیا جیسے پورا کرنے کا پورا حق تھا۔ علیؑ ایک طرف تو ہر رات ایک ہزار رکعت نمازِ نوافل ادا کرتے اور دوسری طرف اپنی قوت لایموت کے لئے بادشاہِ وقت ہونے کے باوجود یہودیوں کے باغوں میں چند کھجوروں کے بدلے میں پانی دینے یا نلائی کرنے سے روزی کماتے اور اگر شام کو کوئی

۲۰۲۵۹

حاجتمند مل جاتا تو دن بھر کی مزدوری اُسے دے کر خود خالی ہاتھ گھر میں داخل ہوتے۔ علیؑ کے گھر میں کئی کئی دن تک چولھے میں آگ نہ جلتی۔ علیؑ نے تمام عمر میں کسی چھوٹے سے چھوٹے آدمی کا بھی حق نہ چھینا۔ جس نے زمانے کے افرعنہ سے محض اس لئے مخالفت کی کہ وہ ان کے زہد و پرہیزگاری سے عداوت رکھتے تھے۔ علیؑ باوجود فرمانروائے سلطنت اسلامی کے گھر میں کوئی خادمہ نہ رکھتے تھے۔

علیؑ ایک ایسا واعظ ہے کہ جس سے جن والنس حتیٰ کہ ملائکہ تک بھی آکر سبق لیتے تھے۔ جس کی زبان میں اتنی تاثیر تھی کہ اُس کے ایک وعظ سے پورے یمن کا یمن حلقہ بگوش اسلام ہوگیا۔ جو واعظ باعمل تھا اور جس نے دوسروں کے لئے وہی بات کہی جو وہ خود تن دہی سے کیا کرتے تھے۔ اِن سے بہتر صورت میں کسی نے ارکانِ اسلام اور دین مبین پر عمل نہ کیا۔ جس کے وعظ کو سننے کے لئے دور دور سے چرند و پرند اور جن و انس آتے تھے۔ سانپ اور جنگلی درندے آپ سے نصیحت لینے کے لئے انتظار کی گھڑیاں گن گن کر گزارتے۔ علیؑ نے جنگل کے جانوروں کو ان کے عادات و اطوار کے مطابق، سمندری مخلوق کو اس کے ماحول و کردار کے مطابق۔ ہوا کے باسیوں کو اُن کی ضروریات کے مطابق آسمان کے ساکنوں کو ان کے عہدہ کے مطابق اور زیرِ زمین کی مخلوق کو اس کی ضروریات کے مطابق نصائح اور دستور العمل دیئے۔ علیؑ چونکہ وجہ کونین اور پیغمبر اسلام کے بعد اُمت کا امام العالمین تھا اس لئے اُس نے اللہ کی تمام مخلوق کو پیغام دین سنایا اور ہدایت کا راستہ بتایا۔ نہ صرف بتلایا بلکہ اُس پر عمل کرنے کا طریق کار بھی سمجھایا۔

علیؑ ایک ایسا مبلغ ہے کہ جس نے کلمۃ الحق کی تبلیغ کی۔ جس نے نہ کبھی خود بتوں یا غیر اللہ کو معبود سمجھا نہ دوسروں کو ایسا کرنے کی اجازت دی۔ جس نے غیر اللہ کے طلسمات کو توڑنے کے ساتھ ساتھ نفسانی بتوں کو بھی پاش پاش کیا۔ تبلیغ اتنی مؤثر تھی کہ پیغمبر آخر الزماںؐ نے ارشاد فرمایا کہ علیؑ سے اچھا اسلام کا کوئی مبلغ نہیں۔ جس نے ہمیشہ فی سبیل اللہ تبلیغ دین کی جس نے تبلیغ کے بدلے میں کبھی کسی سے کچھ نہ لیا۔ علیؑ نے اپنی زندگی کا ہر ہر لمحہ تبلیغ دین میں گزارا۔ جس کا اٹھنا بیٹھنا۔ چلنا پھرنا۔ سونا جاگنا اور کھانا پینا گویا ہر عمل تبلیغ دین تھا۔ جو

کسی سے صلح کرتا تو دین کے لئے اور اگر جنگ کرتا تھا تو دین کے لئے۔ جس نے دین پر اپنا تن من دھن سب کچھ قربان کر دیا۔ کسی کو قتل کرتا تھا تو دین کی خاطر۔ کسی کو معاف کرتا تھا تو دین کی خاطر۔

خانوادہ علیؑ نے دین کی بقا کے لئے کربلا کے میدان میں تپتے ہوئے ریت کے انگاروں پر تبلیغ کی۔ علیؑ کی بیٹیوں نے کوفہ و شام کے بھرے بازاروں میں ارکان اسلام کی حقانیت کو ثابت کیا۔ ان مخدرات عصمت و طہارت نے شرابیوں کے درباروں میں دین کی سچائی پر خطبے دے کر اپنی صداقت کا [illegible] سے سخت دشمنوں کے سامنے بھی اللہ کے احکام کو پیش کرنے سے گریز نہ کیا۔ یہ سب کچھ علیؑ کی تربیت و تبلیغ کا اثر تھا کہ اس خاندان کا چھوٹے سے چھوٹا فرد [illegible] شیر خوار بچے بھی اسلام کے لئے بے مثال مبلغ ثابت ہوئے۔ انھوں نے تبلیغ دین اس [illegible] انداز میں کی کہ کوئی بڑے سے بڑا اور کہنہ مشق مبلغ بھی ان جیسی تبلیغ نہ کر سکا۔

علیؑ ایک ایسا ہادی ہے کہ جس نے ہمیشہ صراط مستقیم کی ہدایت کی۔ جو خود صراط مستقیم ہے۔ جس سے فرشتوں کے سردار، جنوں کے رہنما۔ انسانوں کے اشجع۔ حشرات الارض کے بادشاہ۔ درندوں کے شہنشاہ۔ پرندوں کے لیڈر۔ جانوران آبی کے راہبر ہدایت حاصل کرتے۔ آج بھی دنیا کے [illegible] کسی طریقے سے اپنا ناطہ علیؑ سے جوڑنے میں کوشاں نظر آتے ہیں۔ کوئی علیؑ کا پیرو [illegible] کوئی علیؑ کا رشتہ دار کوئی علیؑ کا واقف کار بنتا ہے کوئی علیؑ کا نوکر بننے میں فخر محسوس کرتا ہے۔

نظام الدین حیا دارد کہ گوید بندہ شاہ ام ۔ ولیکن غیرت او را کمینہ یک گدا باشد

علیؑ ایک طرف [illegible] کے درست طریقے اور گر بتاتے ہیں تو دوسری طرف اللہ کے محبوب بندہ بننے [illegible] انسان کو کامیاب زندگی سے ہمکنار ہونے کا راستہ دکھاتے ہیں۔ علیؑ لوگوں کے [illegible] کہ آپ نے ہدایت کے لئے اپنی زندگی میں کٹھن سے کٹھن حالات کی پرواہ [illegible] زمانہ کے ساتھ ستیزہ کاری کی، لیکن ہدایت کے ذریعہ کو ہمیشہ بطریق احسن [illegible] علیؑ ہدایت کرنے میں بڑے سے بڑے حاکم سے بھی

مرعوب نہ ہوا اور حق کی آواز بلند کرنے میں کسی وقتی مصلحت کو درخور اعتنا نہ جانا بلکہ ہمیشہ لوگوں کی ہدایت کو فوقیت دی۔ علیؑ نے ہمیشہ ایسی باتوں کی ہدایت کی جو کہ ہر کسی کے لئے دنیا و عاقبت دونوں جگہوں پر فائدہ مند تھیں۔ جو ہادی برحق، امام المرسلین کا نائب اوّل ہے اور جس نے اپنے حبیب کا ہر فرمان اس طرح انجام دیا کہ کوئی دوسرا اس سے بہتر انداز میں پورا نہ کر سکا۔

علیؑ ایک ایسا مفسّر ہے جس نے تین دن کی عمر میں قرآن مجید نزول سے قبل اس ہستی کو سنایا جس پر قرآن نازل ہوا۔ سوائے علیؑ کے کسی نے یہ دعویٰ نہ کیا کہ وہ قرآن کے ہر حرف اور ہر لفظ کی حقیقت کو جانتا ہے اور ابن ماجہ گواہ ہے کہ علیؑ نے صرف بائے بسم اللہ کی تفسیر میں شب تمام کر دی اور صبح کے ہویدا ہونے پر افسوس کیا کہ اگر شب طول کرتی تو ابن ابیطالبؑ بائے بسم اللہ کی تفسیر سے ستّر اونٹوں کو بار کر دیتا۔ علیؑ کے شاگرد رشید عبداللہ ابن عباس کہتے ہیں کہ میں نے علیؑ سے علم قرآن اتنا حاصل کیا کہ اگر میرے اونٹ کی رسی بھی گم ہو جائے تو میں اسے قرآن کے ذریعے ڈھونڈ لیتا ہوں کہ کہاں پڑی ہے۔ صرف علیؑ ہی ایک ہستی ہے جس کے متعلق سرورِ کونین نے فرمایا کہ قرآن علیؑ کے ساتھ ہے اور علیؑ قرآن کے ساتھ۔ وفات رسولؐ کے بعد علیؑ نے دنیا کی بڑی سے بڑی دولت کو ٹھکرا دیا لیکن اپنے عہد کو کہ دوش پر اس وقت تک ردا نہ رکھوں گا جب تک قرآن کو صحیح طور پہ جمع نہ کر لوں، پورا کیا۔ جس کے جمع شدہ قرآن کے متعلق محمد بن سیرین جیسا مفسّر کہتا ہے کہ اگر علیؑ کا جمع کیا ہوا قرآن مسلمان اپناتے تو وہ زیادہ بہتر ہوتا۔ صرف علیؑ ہی نے یہ فرمایا کہ میں جانتا ہوں کہ قرآن کی کونسی آیت میدان میں نازل ہوئی اور کونسی پہاڑ پر سفر میں نازل ہوئی یا حضر میں دن کو نازل ہوئی یا رات کو۔ سوائے علیؑ کے کسی اور مفسّر قرآن نے یہ دعویٰ نہ کیا۔ صرف علیؑ ہی وہ ہستی ہے کہ جس کی شان میں دوسرے لوگوں سے زیادہ آیاتِ قرآنی نازل ہوئیں۔ اور بہت سی آیات کے نزول سے قبل علیؑ نے ان آیات کے نفس مضمون کا اظہار کر دیا۔

علیؑ نام ہے ایک سیاست دان کا جس نے ہمیشہ سیاست قرآنیہ کو سیاست

مرّوجہ پر ترجیح دی۔ اُس کے مخالفین نے حیلہ سازی، مکاری اور مکروفریب پر تکیہ کیا لیکن علیؑ نے ہمیشہ وہی بات کہی۔ وہی اقدام کیا اور وہی رائے دی جو قرآن کی رُو سے تھی خواہ اس کے لئے علیؑ کو کتنی زیادہ قیمت ہی کیوں نہ ادا کرنی پڑے۔ حضرت علیؑ خود فرمایا کرتے تھے کہ فلاں مجھ سے زیادہ سیاست دان نہیں لیکن میں اس سیاست کی چالوں کو شیطانی چالیں سمجھتا ہوں۔ اور مجھے ہر حال میں شیطان کے مقابلہ میں رحمٰن کے قوانین کو فروغ دینا ہے۔ علیؑ نے اپنی زندگی تک کی پرواہ نہ کی مگر اصولوں کی سودابازی نہ کی۔

علیؑ ایک ایسا قانون دان ہے کہ جس نے ہمیشہ قوانین الٰہی کو جاری رکھا۔ اور کبھی قوانین الٰہی کی نہ ہی مخالفت کی اور نہ ہی کبھی ذاتی غرض کے لئے تاویل کی۔ جس کو آج بھی دنیا کے قانون دان اپنا سرخیل سمجھتے ہیں اور اپنے آپ کو اس کے سامنے طفل مکتب خیال کرتے ہیں۔ علیؑ نے ظاہری دورِ حکومت پر متمکن ہوتے ہی پہلے تیس سال کے قوانین کو یک قلم منسوخ کر کے یہ ثابت کر دیا کہ اس سے پہلے کے رائج الوقت قوانین ازروئے قرآن درست نہ تھے۔ علیؑ نے ہر کام کو سرانجام دینے کے لئے قرآنی اصول و قوانین سے خلائق کو آگاہ کیا۔ پھر ان قوانین پر عمل کر کے یہ ثابت کر دیا کہ قرآن قابلِ عمل بھی ہے۔ صرف طاق میں سجانے کے لئے نہیں۔ علیؑ نے ہر سوال کرنے والے کو ایسا قانون و اصول بتایا کہ جس سے اس کی تشفی ہو گئی اور جس نے ایک بار کچھ علیؑ سے پوچھ لیا اُسے پھر کسی اور سے پوچھنے کی حاجت ہی نہ رہی بلکہ وہ اُسی میں مسند ہو گیا۔ کیونکہ اس نے صراطِ مستقیم کو پا لیا البتہ جس نے علیؑ کی طرف رجوع نہ کیا۔ اُس نے جو قوانین اسلام وضع کئے وہ دیر تک نہ چل سکے اور ہر زمانے میں ان کی ترمیم و تجدید کرنے کے لئے کسی نہ کسی مجدد کی ضرورت محسوس کی جاتی رہی۔

علیؑ ایک ایسا فاتح ہے جس کے متعلق لوگ یہ کہتے ہیں کہ اس نے اپنی ظاہری حکومت میں کوئی بڑا علاقہ فتح نہ کیا۔ حالانکہ اگر علیؑ کی زندگی کا مطالعہ کیا جائے تو جو لوگ اپنے بہادروں، کشور کشاؤں اور سورماؤں کو چند علاقے فتح کرنے پر پھولے نہیں سماتے خود

اُن کو حضرت علیؑ نے فتح کیا۔ علیؑ نے جہاں زمانۂ رسولِ مقبول میں ہر میدان جنگ میں فتح و کامیابی حاصل کی وہاں علیؑ نے قلوب کو بھی فتح کیا۔ علاقوں کی فتح کی نسبت دلوں کی فتح زیادہ مشکل ہوتی ہے۔ کیا ابتدائی ریاست اسلامیہ کا کوئی بھی حصّہ ایسا تھا جو علیؑ نے فتح نہ کیا؟ اور کیا ہمارے ملک پاکستان و ہند کو فتح کرنے کا عزم حضرت علیؑ نے نہ کیا تھا؟ ۔ اور کیا موسیٰ بن نصیر فاتح اندلس حضرت علیؑ کا غلام نہ تھا۔ لوگ محمد بن قاسم کو فاتح سندھ کہتے ہیں، حالانکہ تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ محمد بن قاسم سے پہلے حضرت علیؑ کا ایک سپہ سالار مہلب بن ابی صفرہ مکران اور سندھ کو فتح کر چکا تھا اور پھر اس کو سندھ کا راستہ ۳۸ ہجری میں ثاغر بن دعور نے دکھایا تھا، جسے حضرت علیؑ نے بطور سفیر سرحدات سندھ کی طرف روانہ کیا۔ حارث بن مرہ العبدی ایک تیسرے جرنیل کو حضرت علیؑ نے ۳۹ ہجری میں ملک سندھ کو فتح کرنے کے لئے بھیجا۔ چنانچہ عبدالرحمٰن شوق امرتسری لکھتے ہیں "جناب امیر علیہ السلام کے حکم سے حارث بن مرہ العبدی نے سندھ کا قصد کیا۔ اور جہاد کر کے بہت سا مالِ غنیمت حاصل کیا اور کفار کو گرفتار کیا۔ چنانچہ ایک دن میں ایکہزار لونڈی اور غلام غنیمت کے مال میں تقسیم کئے اور ایک مدت تک حارث بن مرہ دل پر مصروف جہاد رہا۔ یہانتک کہ وہ اور اس کے تمام ساتھی ارض قیقان میں شہید ہو گئے۔ یہی وہ پہلا حملہ ہے جو خشکی کی طرف سے سرزمین سندھ پر ہوا۔ دراصل یہ ایک واقعہ ایسا ہے جو امیر المومنین علی المرتضیٰؑ کے عہدِ خلافت کی اس کمی کو پورا کرتا ہے کہ اُن کے عہدِ خلافت میں کسی غیر ملک میں جہاد نہ ہوا"۔ تاریخ اسلام جلد دوم ص۹۵۸۔ کیا کبھی یہ بھی سوچا گیا ہے کہ محمد بن قاسم کے حملہ کے سبب والی عورتیں اور بچے ساحل مالابار پر کب اور کیوں گئے۔ ان کے خاندان کو جناب امیرؑ نے تبلیغ دین کے لئے اور تجارتی غرض سے بھیجا تھا۔ ان میں سب سے پہلے جو سرزمین ہند پر اسلام کا مبلغ بن کر آیا وہ رسول اللہ کے مشہور صحابی اور حضرت علیؑ کے فرستادہ مسیّب بن عمیر تھے۔

علیؑ نام ہے امام اوّل کا جو کہ رسول کے بعد تمام مخلوقاتِ جہاں کا امام ہے اور تمام مخلوقاتِ خدا اس کی ماموم ہے۔ علیؑ نہ صرف امام ہے بلکہ ابو الآئمہ ہے۔ قیامت

تک کے لئے علیؑ کی نسل میں امامت قائم ہے ۔ ہر زمانے میں علیؑ کا کوئی نہ کوئی بیٹا زمانہ کے لئے ایسا ہی پیشوا رہتا ہے، جیسا کہ علیؑ اپنے زمانہ میں خود تھے ۔ علیؑ کے بیٹوں نے اپنے اپنے زمانہ میں دنیا کو کفر و ضلالت بے علمی اور جہالت سے ہمیشہ بچانے کی کوشش کی جہاں اسلام کے مختلف فرقوں کے علماء علیؑ کو اپنا سالک اور پیر طریقت اور امام برحق مانتے ہیں وہاں دوسرے مذاہب کے رہنما بھی علیؑ کی عظمت، وعزت، عصمت وطہارت، عبادت و خطابت، شجاعت و عدالت، علم و حکمت اور اوج و منزلت کے قصیدہ خواں نظر آتے ہیں ۔ علیؑ محمد مصطفےٰ صلعم کے بعد ایسے ہی امام ہیں جیسے کہ حضرت موسیٰؑ کے بعد حضرت ہارونؑ نبی تھے ۔ لیکن علیؑ نبی نہ ہو کر بھی کار نبوت سر انجام دیتے رہے اور اُن کے بیٹوں نے بھی یہ کام کئے ۔ علیؑ امام المشارق والمغارب ہیں ۔ علیؑ امام اول اور آخر ہیں ۔ علیؑ امام ظاہر و باطن ہیں ۔ علیؑ امام جن وانس و ملائک ہیں ۔ علیؑ درندوں پرندوں ہوائی، سمندری، زمینی اور خشکی غرض جہاں تک خدائی مخلوق ہے اور جہاں جہاں تک رسولؐ کی رسالت ہے، وہاں وہاں علیؑ امام، ہادی اور راہبر ہیں ۔ صرف زبانی نہیں بلکہ عملی طور پر بھی علیؑ نے جہاں اہل جہاں کی امامت کے کام سر انجام دیئے وہاں خشکی اور سمندری و فضائی مخلوقات کو بھی ہدایت و موعظت کر کے کار امامت سر انجام دیئے ۔ اگر یوں کہدوں کہ انبیاء کو بیٹوں کی قربانیاں دینے کے بعد امامت کا عہدہ ملا ۔ لیکن علیؑ کا مرتبہ اتنا بلند ہے کہ اُسے خود اور اس کے بیٹوں کو امامت پہلے ملی اور پھر انھوں نے انبیاء کے ادھورے کاموں کو قربانیاں دے کر پایہ تکمیل تک پہنچایا۔

علیؑ ایک ایسا مزدور ہے جس نے ہمیشہ حلال کی روزی کمائی ۔ باوجود بادشاہ وقت ہونے کے علیؑ نے کبھی سرکاری خزانہ سے اپنے یا اپنے بچوں کے لئے کبھی کچھ نہ لیا بلکہ یہودیوں کے باغوں میں محنت مزدوری کر کے روزی کمائی ۔ یہودیوں کے باغوں میں مزدوری کرنے کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ کسی مسلمان کے پاس مزدوری کرنے سے شاید وہ شام کو آپ کی مزدوری کی اجرت سے ایک آدھ کھجور زیادہ نہ دیدے

اس لئے علیؑ نے کبھی یہ گوارا نہ کیا کہ وہ کسی مسلمان سے ایک آدھ خرمہ بھی ذاتی محنت کی وجہ سے لیتے۔ اس کے مقابلہ میں یہودیوں سے یہ رعایت ملنے کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔ پھر علیؑ یہ بھی چاہتے تھے کہ اپنی مزدوری کرنے کے دوران صحیح کام کرنے کے بعد اپنے اخلاق حسنہ سے یہودیوں کو تعلیمات اسلامیہ سے آگاہ کیا جائے۔ باوجود اتنی مشکل سے کمائی ہوئی روزی کے جب بھی کسی نے علیؑ سے سوال کیا، آپ نے اسی وقت اپنی دن بھر کی مزدوری دے دی اور خالی ہاتھ پہنچ کر سجدۂ شکر ادا کیا کہ انھوں نے ایک حاجتمند کی امداد میں اپنا تمام سرمایہ صرف کر دیا۔

علیؑ ایک ایسا جاں نثار ہے جس نے ساری عمر میں ایک لمحہ کے لئے بھی اپنی زندگی کو اپنی زندگی نہ سمجھا بلکہ خدا اور رسول کی ملکیت سمجھا۔ ہر جنگ میں جاں نثاری سے کام لیا۔ جنگ احد اور حنین میں جب رسول صلعم کو باقی سب ساتھی چھوڑ گئے، اس وقت صرف علیؑ ہی تھے جو رسول پر حملہ آور کافروں کو مولی گاجر کی طرح کاٹ رہے تھے، جن کے قتال کو دیکھ کر ملائکہ محو حیرت ہو گئے تھے۔ خود رسولؐ نے علیؑ سے پوچھا کہ علی! تو کیوں اپنے ساتھیوں کی طرح بھاگ نہ گیا۔ علیؑ نے جواب دیا۔ آقا! کیا میں مسلمان ہوتے ہوئے کفر کی طرف پلٹ جاتا۔ خدا اور رسولؐ کو جب بھی اور جیسی بھی جاں نثاری کی ضرورت پڑی علیؑ نے ویسی ہی خدمات پیش کیں۔ دعوت ذوالعشیرہ میں علیؑ نے جمیع قریش کے مجمع میں بعہد کمسنی اپنی جاں نثاری کا پہلا مظاہرہ کیا۔ رسولؐ کی مکی زندگی میں علیؑ سایہ کی طرح رسولؐ کے ساتھ رہے۔ ہجرت کی شب دشمنان رسولؐ کے نرغے میں رسولؐ کے بستر پر سونا کچھ کم جاں نثاری نہ تھی۔ بدر و حنین۔ احد و خندق و خیبر کے موقعوں پر علیؑ نے جس جانبازی سے کام کیا وہ صرف اور صرف علیؑ کا ہی حصہ ہے۔ اگر علیؑ کو میدان جنگ میں طلب کیا گیا تو وہاں حاضر، اگر مدینہ میں نائب بنا کر چھوڑا گیا تو وہاں موجود۔ اگر تبلیغ دین کے لئے کسی سخت سے سخت علاقہ میں بھیجا گیا تو علیؑ تیار۔ اور اگر بیرالعلم جیسے معرکوں کو سر کرنے کے لئے مقرر کیا گیا تو علیؑ سینہ سپر۔ غریب صحابہ اور عوام کی مدد کے لئے علیؑ سامنے آئے۔ غرض علیؑ نے ہر قسم کی جاں نثاری

کا ثبوت دیا اور ہر مرحلہ کو بدرجہ اتم سرانجام دیا۔

علیؑ ایک ایسا مجاہد ہے، جس نے جہاد بالسیف کیا تو "لافتیٰ الا علیؑ" کا لقب پایا۔ جہاد بالسان کیا تب بھی لسان اللہ کا لقب حاصل کیا۔ جس طرح علیؑ نے ذوالفقار سے دشمنان دین کی گردنوں کو کاٹ کر رکھ دیا اسی طرح علیؑ نے اپنے علم و حکمت کے لافانی افکار و خیالات چھوڑے۔ کوئی شخص بیک وقت ان دونوں میدانوں کا شہسوار نہیں ہو سکتا۔ لیکن علیؑ نے اضداد کو جمع کر کے ثابت کر دیا کہ علیؑ جہاں اسلام کا ایک بہترین سپاہی ہے وہاں بہترین مبلغ بھی ہے۔ ایک طرف تو علیؑ کی تلوار کی کاٹ کو کوئی روک نہ سکا۔ اور دوسری طرف علیؑ کے کلام نہج البلاغہ کی کوئی مثال پیش نہ کر سکا۔ علیؑ نے ان دونوں محاذوں پر آخری دم تک جنگ کی اور ہمیشہ علیؑ کی جنگ کا مقصد خدمت دین ہوتا تھا۔ علیؑ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے اس کی پرواہ نہیں کہ موت مجھ پر آپڑے یا میں موت پر گر جاؤں۔ کیونکہ میری زندگی خدا کی عطا کی ہوئی ہے اور خدا کو جتنی دیر میری ضرورت دنیا میں ہوگی، مجھے باقی رکھے گا۔

علیؑ ایک ایسا ریاضی دان ہے کہ جسے اگر مسلمانوں میں ریاضی کا بابا آدم کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا۔ علیؑ نے علم عدد اور علم جیومیٹری کے موجودہ تمام قواعد کی ابتدا کی۔ علیؑ نے ایسے اصول اور کلئے بنائے جن پر عمل کر کے بعد کے ریاضی دانوں نے اپنے علم میں اضافہ کیا یہی وجہ تھی کہ علیؑ چشم زدن میں بڑے سے بڑے سوال کا جواب دے کر سائل کو دنگ کر دیتے تھے۔ سائل یہ پوچھنے پر مجبور ہو جاتا تھا کہ علیؑ آپنے بلا تامل جواب دے دیا، شاید غلط ہو۔ علی فرمایا کرتے تھے کہ جس طرح تو بلا سوچے سمجھے اور بغیر گنے ہاتھ کی انگلیوں کو پانچ کہہ دیتا ہے کیونکہ تجھے یقین ہے کہ پانچ ہی ہیں۔ اسی طرح میں یقین کے ساتھ کہہ دیتا ہوں اور میرا جواب ٹھیک ہے۔ مجھے کسی بڑے سے بڑے سوال کے لئے بھی سوچنے کی ضرورت نہیں ہوتی مجھے ہر شے کا علم اسی طرح ہے جس طرح ہاتھ کی انگلیوں کا ہوتا ہے۔

علیؑ ایک ایسا سائینسدان ہے کہ جس نے دنیا کو علم سائنس سے آگاہ کیا۔ آج کا سائنسدان جابر بن حیان اور ابن ہیثم کو سائنس کا موجد کہتا ہے لیکن کیا کبھی کسی نے یہ بھی

معلوم کرنے کی کوشش کی ہے کہ جابر بن حیان حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا شاگرد رشید تھا اور امام جعفر صادق کا منبع ذات امیرالمومنین باب العلم تھی۔ گویا جابر بن حیان کے استاد کے استاد علی علیہ السلام تھے۔

اور ابن ہیثیم کون تھے۔ انھوں نے علم سائنس کس سے پڑھا۔ اسی طرح طبقات الارض کا ماہر ابن ہیثم بھی حضرت علیؑ کے شاگرد کا شاگرد تھا۔ اگر تاریخ گردانی کی جائے، تو معلوم ہوگا کہ آج ڈاکٹری و سرجری، آلات حرب و ضرب، سفر کے تیز رفتار ذرائع۔ علم طبقات الارض، جغرافیہ، الجبرا، علم النفسیات۔ علم تاریخ، علم القرآن اور علم القرات و علم الحدیث غرض لاتعداد علوم سے لوگوں کو پہلے پہل حضرت علیؑ نے آگاہ کیا۔ مغربی قوموں نے یہ تمام علوم مسلمانوں سے اخذ کر کے ان کو ترقی دی۔ اگر فرصت ملی تو انشاء اللہ کسی مضمون میں یہ بتاؤں گا کہ مغرب نے جو سائنس میں ترقی کی ہے یہ تمام کی تمام حضرت علیؑ کی بدولت ہے اور اسی ذات اقدس سے خوشہ چینی کی ہے۔

علیؑ ایک ایسا ماہر معاشیات ہے کہ اگر علیؑ کے متعین کردہ اصولوں پر عمل کیا جاتا تو ایک بھی فرد نادار نہ رہتا۔ یہ علیؑ کی تعلیمات سے روگردانی ہے کہ آج دنیا کی نصف سے زیادہ آبادی معاشی بدحالی کا شکار ہے۔ روس، چین اور دیگر مغربی ممالک نے کمیونزم سوشلزم اور جمہوریت کے ڈھونگ رچا کر لوگوں کو روٹی کپڑا مہیا کرنے کا دعویٰ کیا۔ مگر حالات اور واقعات شاہد ہیں کہ یہ نظام بری طرح ناکام رہے۔ ان کے مقابلہ میں علیؑ کا معاشی نظام ایسا جامع تھا کہ پورے ملک میں کوئی حاجتمند علیؑ کے دور حکومت میں نہ ملتا۔ علیؑ نے شاہی خزانہ بنایا ہی نہ تھا بلکہ جو کچھ بیت المال میں آتا اسے بلا ناغہ شام تک مستحقین میں تقسیم کر کے دم لیتے۔ خود اتنی سادہ زندگی گزارتے کہ کبھی پیٹ بھر کر کھانا نہ کھایا۔ علیؑ کے دور حکومت اور اس سے قبل کی زندگی میں بالکل فرق نہ پایا گیا۔ خلیفہ وقت ہونے کے باوجود رات کو اپنی پشت مبارک پر روٹیاں رکھ کر غرباء میں جا کر تقسیم کرتے۔ کیا اب بھی دنیا میں ایسا عوام کا ہمدرد اور خیر خواہ حکمران ہے

علیؑ کے ایک مبلّغ ابوذرؓ کو لوگوں نے محض اس لئے شہید کردیا کہ وہ امراء پر تنقید کرتا تھا اور غرباء کی ہمدردی کرتا تھا۔ علیؑ نے حکومت کے آمد و خرچ کو اس انداز سے درست کیا تھا کہ کبھی رعایا پر حکومت بوجھ نہ بنی۔ اگرچہ علیؑ کا تمام دورِ حکومت لڑائیوں اور خلفشار کا دور تھا لیکن کوئی تاریخ یہ نہیں بتاتی کہ علیؑ نے کبھی رعایا پر ٹیکس لگایا ہو یا مروجہ نظامِ آمدنی کے وصول کرنے کے لئے سختی یا زیادتی کی ہو۔

علیؑ ایک حکمران ہے کہ جس کی رعایا کبھی اس سے نالاں نہ ہوئی۔ جنگوں کے دوران بھی کبھی رعایا کے مال و جان کو ضائع کرنے کی اجازت نہ دی۔ جہاں علیؑ نے عوام کی ضروریاتِ زندگی کا خیال رکھا وہاں علیؑ نے اپنے گورنروں کو بھی بے لگام نہ ہونے دیا۔ جونہی کسی گورنر کی عوام کی طرف سے شکایت ملتی تو وہ فوراً اس کی جواب طلبی کرتے۔ اگر کسی وقت ..... ان کے گورنر نے سیر ہو کر کھانا کھایا تو علیؑ کو فوراً اطلاع ہوگئی اور آپ نے اسے ز جر و توبیخ کی کہ کیا اس کی رعایا میں کوئی بھی بھوکا نہ تھا کہ اس نے ایک وقت میں کئی کھانے نوش جان کئے۔ عبداللہ ابن عباسؓ حضرت علیؑ کا شاگردِ رشید تھا۔ لیکن جب اس نے بیت المال سے ناجائز تصرف کیا تو علیؑ نے اسے بھی معزول کر کے بیت المال کی رقم طلب کر لی۔ علیؑ نے اپنے دورِ حکومت میں جہاں مسلمانوں کے لئے ہر قسم کی سہولتیں مہیا کر رکھی تھیں، وہاں وہی قوانین غیر مسلموں کے لئے بھی تھے۔ جس طرح ایک مسلمان کی جان و مال کی حفاظت ہوتی تھی، اسی طرح ایک غیر مسلم کی جان اور مال محفوظ تھے۔

الغرض اگر دنیا میں ایک انسان میں پائی جانے والی حسبی اچھائیوں کو ایک ایک کر کے لیا جائے تو علیؑ تمام صفات میں بعد از نبیؐ ہر کسی سے ارفع و اعلیٰ ہیں۔ اور کوئی بات یا ایسی صفت نہیں ملتی جو علیؑ میں نہ پائی جائے یا جس میں علیؑ کسی دوسرے آدمی سے کم ہوں۔ صرف تعصب کی عینک اتار کر شخصیتِ علیؑ کا مطالعہ کرنے کی ضرورت ہے۔ حسبی صفات کو چھوڑ کر نسبی صفات کو بھی اگر دیکھا جائے تو شاید ان میں علیؑ رسول اللہ سے بھی بڑھ جائیں کیونکہ رسولؐ خود فرماتے ہیں کہ جو تین صفا

علیؑ کو میسّر ہیں وہ مجھے بھی نہ ملیں۔ یعنی علیؑ کے خسر جیسا میرا خسر نہیں۔ علیؑ کے بیٹوں جیسے میرے بیٹے نہیں اور علیؑ کی بیوی جیسی میری بیوی نہیں۔ یہ تین صفات ایسی ہیں جو اسے علیؑ کے صرف علیؑ کو آدم سے قیامت تک کسی انسان کو نہ ملی ہیں اور نہ مل سکتی ہیں۔

اب علیؑ کے بلحاظ نسب کے چند رشتوں کو دیکھیئے تاکہ یہ بھی واضح ہو جائے کہ علیؑ نسبی لحاظ سے کیسے ہیں۔ اور جو سعادتیں بقول رسول مقبولؐ علیؑ کو حاصل ہوئیں، علیؑ نے ان کو کیسے نبھایا۔ کیا انھوں نے ان میں سے کسی رشتہ دار کا کوئی حق کسی وقت اور کسی حالت میں ضائع کیا؟ یا کیا علیؑ کے علاوہ دنیا میں کوئی اور ہستی ان حقوق کو زیادہ بہتر طور پر ادا کر سکی۔

علیؑ ایک ایسا بیٹا ہے کہ جس پر جناب ابو طالبؑ جتنا بھی فخر کریں، کم ہے، دنیا میں کسی بھی فرد واحد کو سوائے جناب عبداللہ کے جو کہ جناب ابو طالبؑ کے حقیقی بھائی ہیں۔ ایسا بیٹا نہ ملا۔ جناب عمرانؑ کا بیٹا اپنی صفات و کمالات میں باپ کا سپوت بیٹا ثابت ہوا اور ایسا سپوت کہ دنیا کا ہر فرد خواہش کرتا ہے کہ کاش اس کے بیٹوں میں علیؑ کے علاوہ کی کوئی ایک بھی خو تو ہو۔ اگر باپ نے علیؑ کو رسولؐ کی جگہ اس لئے لٹایا کہ بیٹا قتل ہو اور رسولؐ بچ جائے تو علیؑ حاضر۔ اگر دعوت ذوالعشیرہ میں محمدؐ کی امداد کی ضرورت ہو، تو باپ کی جگہ بیٹے نے لبیک کہا۔ اگر کفار مکہ نے حضرت عمرانؑ کے بڑھاپے کی وجہ سے محمدؐ کو تنگ کرنے کی کوشش کی تو اسی عمرانؑ کے لعل نے باپ کی جگہ سر دھڑ کی بازی لگا کر روک دیا۔ غرض علیؑ نے وہ تمام آداب نہ صرف ملحوظ رکھے بلکہ انھیں درجہ کمال تک سر انجام دیا، جو ایک باپ کی طرف سے بیٹے پر عائد ہوتے ہیں۔ کل ایمان کا سرٹیفکیٹ حاصل کر کے ثابت کر دیا کہ جب بیٹا کل ایمان ہے تو باپ لازمی طور پر صدف ایمان تھا۔ علیؑ نے باپ کی لاج رکھ لی اور باپ کے بعد وہ کام سر انجام دئیے، جو جناب عمرانؑ ایام موت آنے کی وجہ سے پورے نہ کر سکے۔ عمرانؑ نے علیؑ کا ہاتھ محمدؐ کے ہاتھ میں دے کر جہاں رسولؐ پر علیؑ کی تربیت کی ذمہ داری ڈال دی، وہاں علیؑ پر بھی واضح کر دیا کہ کسی وقت کسی صورت محمدؐ کی امداد سے پہلو تہی نہ کرنا۔ علیؑ نے اپنی زندگی میں ہر مقام اور ہر موقع

پر یہ ثابت کر دیا کہ انھوں نے باپ کی خواہش کو پورا کر کے برخوردار اور سپوت بیٹا ہونے کی مثال قائم کر دی۔

علیؑ ایک ایسا باپ ہے کہ جس کے بیٹے جوانانِ جنت کے سردار ہیں۔ جو عصمت وطہارت کا معیار ہیں۔ جس کے ایک نہیں پورے گیارہ بیٹے معصوم ہیں۔ جس کی اولاد میں صالحین، صدیقین اور شہداء کی تعداد ہر کسی سے زیادہ ہے۔ جس کی اولاد کو رسولؐ نے اپنی اولاد فرمایا۔ جس کے بیٹوں کو رسولؐ اٹھا کر بہلایا کرتے تھے۔ اونٹ بن کر دوڑا کرتے تھے۔ جن کے ہاتھوں میں والیل کی زلفیں بطور مہار ہوتی تھیں۔ جس کے بیٹوں کے جھولے فرشتے آکر ہلایا کرتے تھے۔ اور جس کے بیٹوں نے کسی سے صلح کی تو دنیا میں صلح کرنے کی مثال قائم کر دی۔ اور اگر جنگ کی تو کربلا جیسی جنگ کی نظیر دنیا میں پیش کر دی۔ جس سے اچھی کوئی مثال دنیا کا کوئی آدمی پیش نہیں کر سکتا۔ جس کے صرف بیٹے ہی نہیں بلکہ بیٹیاں بھی بہادری، بیباکی، دانائی، عفت، خطابت اور ثابت قدمی میں اپنی مثال آپ تھیں۔ کیا دنیا کی کوئی تاریخ ایسی مثال پیش کر سکتی ہے۔ جس کے اٹھارہ قریبی رشتہ دار شہید ہو چکے ہوں اور لاتعداد انصار جامِ شہادت نوش کر چکے ہوں۔ جو موت کے شہر میں کھڑی ہو۔ گھر میں سوائے ایک بیمار مرد کے سب غمزدہ عورتیں ہوں۔ اور چاروں طرف درندہ صفت خونخوار دشمن موجود ہوں۔ لیکن پھر بھی وہ مخدّرہ دین کے قوانین پر پوری طرح کاربند ہو۔ اگر تبلیغِ دین کی ضرورت پڑے تو بھرے دربار میں اور چھلکتے بازاروں میں اس انداز سے ارکانِ دین کی تبلیغ کرے کہ سخت سے سخت دل کافر بھی اس کی حقانیت کو نہ جھٹلا سکیں۔ یقیناً سوائے علیؑ کی بیٹیوں کے کوئی بھی ایک ایسی عورت نہ ملے گی۔ یہ سب کچھ علیؑ جیسے باپ کی تربیت کا اثر تھا۔

علیؑ ایک ایسا بھائی ہے کہ جسے رب کونین نے محمد مصطفیٰ وجہ کون و مکان فخرِ کائنات رحمۃ للعالمین اور ختم المرسلین سا بھائی عطا کیا۔ حضور سرورِ کائنات نے مواخاۃ کے موقع پر ارشاد فرمایا تھا۔ یا علی انت اخی فی الدنیا والآخرۃ۔ یعنی اے علیؑ تو میرا دنیا و آخرت میں بھائی ہے۔ جنابِ عمرانؑ کے اور بھی کئی بیٹے تھے جنھیں سے جعفرؑ و عقیلؑ مسلمانوں میں بڑے مرتبہ کے صحابی

روا جب الاحترام ہیں، کسی کو بھی علیؑ کا سا رتبہ نہ ملا۔ علیؑ نے اپنی زندگی میں کبھی بھائی ہونے کی وجہ سے کسی حقیقی بھائی کی بھی رعایت نہ کی۔ حضرت عقیلؑ کو باوجودیکہ ان کے بھائی تھے۔ کثیرالعیال اور تنگ دست تھے۔ لیکن حضرت علیؑ نے ظاہری طور پر حکمران ہونے کے باوجود بھی اُن کو کوئی ایسی رعایت نہ دی جو شریعت اسلامیہ کے خلاف ہو۔ کہا جاتا ہے کہ عقیل کھانا معاویہ کے دسترخوان پر کھاتے اور نماز علیؑ کے پیچھے پڑھتے۔ کیونکہ وہاں کھانا اچھا ہوتا اور یہاں نماز صحیح تھی۔ لیکن علیؑ نے باوجود حکمران ہونے کے عقیل کو ناجائز حصہ دینا گوارا نہ کیا۔ گویا حقیقی بھائی کے لئے بھی ہمیشہ حکم خدا اور رسولؐ کو فوقیت دی۔ کیا یہ کنبہ پرور حکمرانوں اور ارکان حکومت کے لئے درس عبرت نہیں۔ اس سے قبل شخصیت علیؑ کو زندگی کے مختلف زاویوں سے دیکھ لینا ضروری ہے تاکہ اس بات سے آگاہی ہو جائے کہ علی علیہ السلام کیسی شخصیت اور مرتبہ کے مالک تھے۔ اور کیا شخصیت پرستی کی وجہ سے بعد از نبیؐ سب سے افضل و برتر سمجھا جاتا ہے یا اصول پرستی کی وجہ سے۔

حقیقت یہ ہے کہ شخصیت جناب امیرؑ خیبر گیر ایک ایسی شخصیت ہے کہ جسے جس زاویہ سے بھی دیکھا جائے، ہر لحاظ سے بعد از نبیؐ اپنی مثال آپ ہے۔ علیؑ نے جہاں حکمت و دانش میں ایسے نقوش چھوڑے جو قیامت تک آنے والے تشنگان علم کے لئے راہبری و راہنمائی کا کام دیتے رہیں گے وہاں اُن کے ذاتی تعلقات و خصائل بھی ایسے مثالی ہیں کہ انکی طرح ان کو کوئی نباہ نہ سکا۔ جہاں علیؑ جس لحاظ سے یکتا ہیں، وہاں نسبی لحاظ سے بھی بے مثال ہیں۔

شخصیت علیؑ ایسی جامع اور مکمل زندگی کی عکاسی کرتی ہے کہ جس سے انسان کو ہر طرح کی زندگی کے لئے درس ملتا ہے۔ زمانہ جنگ ہو یا حالت جنگ، سفارت ہو یا امارت یا نیابت سالاری ہو یا کفش دوزی۔ بیت المال یعنی شاہی خزانہ کا آڈٹ ہو یا اپنی قوت لایموت کو حاصل کرنے کا مرحلہ۔ حکمت و دانش بیان کرنے کا وقت ہو یا سکوت اختیار کرنے کا موقعہ۔ راز کی بات ہو یا اعلان کا زمانہ، ہر حال میں علیؑ نے ایسے نقوش چھوڑے جو قیامت تک کے آنے والے لوگوں کے لئے صراط مستقیم کا کام دیتے ہیں:

حضرت علیؑ سے عقیدت!

قبل اس کے کہ عنوان بالا کے ضمن میں حضرت علی مرتضیٰ کی شان اور علامہ اقبال کی عقیدت کے اشعار پیش کیے جائیں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ فلسفۂ اقبال پر اس مقصد سے نظر ڈالی جائے کہ وہ کیوں شیرِ خدا کی صفات اور اسمار کے اس قدر دلدادہ ہیں۔ اس موضوع پر تفکر سے یہ حقیقت آشکار ہو جاتی ہے کہ علامہ اقبال نے علی علیہ السلام کے اُسوہ میں وہ کمالات اور اوصاف پائے جو کسی دوسرے مرد میں نہیں۔ اگر ہیں، تو اس معیار کے نہیں۔ ان کمالات میں آپ کے تین کمالات علم، عشق الٰہی اور عمل ہیں۔

آپ کے عالمِ بے بدل ہونے کی تصدیق میں انا مدینۃ العلم و علیٌّ بابہا کی حدیث سے بڑھ کر کیا ثبوت ہو سکتا ہے۔ آپ کے علم کا اندازہ وہی کر سکتا ہے جو علمِ نبوت کا عارف ہو۔ منبرِ رسول پر سلونی قبل ان تفقدونی کا اعلان کرنے والے کے علم کا احصار کیونکر ممکن ہے۔

عشقِ الٰہی اور محبتِ رسول کا جو مظاہرہ آپ نے شبِ ہجرت میں پیش فرمایا اس کی موجودگی میں کیا کسی سند اور دلیل کی ضرورت رہ جاتی ہے؟ نہیں۔ ہرگز نہیں۔ کیا عاشقِ صادق کے سوا کوئی شخص یوں دیدہ و دانستہ موت کے بستر پر استراحت کر سکتا ہے۔ نہیں؛ یہ بھی ممکن نہیں۔ عشقِ الٰہی کے ثبوت میں اس سے بڑھ کر بھی کوئی چیز پیش کی جا سکتی ہے کہ ابن ملجم ملعون کے ہاتھوں ضربِ کاری کھا چکنے کے بعد بھی فزت برب الکعبہ کا وِرد زیبِ زبان ہوا۔

تیسری خوبی عمل ہے۔ دنیا کا کونسا انسان عامل ہے جو ایک رات میں ایک ہزار رکعت نماز نوافل ادا کرے اور پھر بھی دل سیر نہ ہو۔ حالت نماز میں پاؤں سے تیر کھینچ لیا جائے اور نمازی کو محسوس تک نہ ہو۔ عمل کی دوسری صورت جہاد ہے۔ یہ وہ وصف ہے کہ

جس میں کوئی شخص بھی حضرت علیؑ کے مقابلہ میں آنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ زمانہ رسالتؐ کی کوئی جنگ ایسی نہیں جس کی فتح آپ کے بازو کی مرہون نہ ہو۔ سوائے جنگ تبوک کے کہ جس میں خود جناب رسالتمآبؐ آپ کو اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَۃِ ھَارُوْنَ مِنْ مُوْسیٰ کے فرمان سے اپنا نائب بنا کر مدینہ میں چھوڑ جاتے ہیں۔

یہی وہ اسباب تھے جن کی بنا پر علامہ اقبالؔ مسلمانان عالم کو تلقین کرتے ہیں کہ اگر وہ باوقار اور کامیاب زندگی گذارنا چاہتے ہیں، اگر وہ اپنے آپ کو اسلام کا سچا شیدائی ثابت کرنا پسند کرتے ہیں، اگر وہ دنیا میں مقام رفیع پانے کے متمنی ہیں۔ اگر وہ دنیا میں کامیاب و کامران کے مشتاق ہیں۔ اگر وہ آخرت میں فائز المرام ہونا چاہتے ہیں تو انھیں علیؑ کا اسوۂ حسنہ اپنانا چاہیئے۔ اسی جادۂ مستقیم اور صراط حق و صداقت پر چل کر وہ انسان کامل بن سکتے ہیں۔ اس مقصد کے پیش نظر علامہ موصوف نے اپنے اردو اور فارسی کلام میں جگہ جگہ جناب امیر علیہ السلام کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کی نقاب کشائی کی ہے۔ حضرت علیؑ سے علامہ اقبالؔ کی عقیدت کا یہ عالم ہے کہ وہ نجف کو مدینۃ النبیؐ کا مقام دیتے ہیں۔ اور حضرت علیؑ کی امت میں شمار ہونے کو فخر سمجھتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔ ؎

نجف میرا مدینہ ہے مدینہ ہے مرا کعبہ ؏ میں بندہ اور کا ہوں، امت شاہ ولایت ہوں

جنوری ۱۹۰۵ء کے رسالۂ مخزن میں علامہ موصوف کا حضرت علیؑ کی شان میں قصیدہ بعنوان "سپاس بحضور جناب امیرؑ" شائع ہوا تھا۔ وہ قصیدہ درج ذیل ہے۔

سپاس بحضور جناب امیر علیہ السّلام

(۱) اے محو ثنائے تو زبانہا ۔۔۔ اے یوسف کاروان جانہا

اے وہ ہستی (علیؑ) جس کی تعریف میں اہل علم کی زبانیں محو ہیں۔ اے وہ ذات جو زندگی کے قافلے میں حضرت یوسف کی طرح میر کارواں ہے۔

علامہ اقبالؔ اس شعر میں اپنے ممدوح حضرت علیؑ کو یوسف کارواں لکھ کر

اپنے اس عقیدہ کا اظہار فرماتے ہیں کہ آپ زندگی کے قافلہ میں یکتا و بے مثال ہیں۔ اور کسی کو آپ کی ہمسری حاصل نہیں۔ بالفاظ دیگر "وہ ہم مرتبہ ہیں یارانِ نبی ......" کے دعویداروں کے دعوی کی ببانگ دہل تکذیب اور جناب رسالتمآبؐ کی مشہور حدیث
مَن کُنتُ مولاہ فھٰذا علیٌ مولاہ کی تائید فرماتے ہیں۔

(۲) اے بابِ مدینۂ محبّت ؛ اے نوحِ سفینۂ محبّت

اے مدینۂ محبت کے دروازے۔ اور اے سفینۂ محبّت کے ناخدا

اس شعر میں علاّمہ موصوف دو احادیثِ صحیحہ " انا مدینۃ العلم و علیٌ بابُھا اور مثل اھلبیتی کسفینۃ النوح " کی ترجمانی فرما رہے ہیں۔ جناب رسالتمآبؐ کو مدینۂ محبّت اور اُن کی آلؑ کو سفینۂ محبّت کے پیارے الفاظ میں یاد کرنا علاّمہ کا وہ شاعرانہ جہاد ہے، جس کی نظیر نہیں۔

(۳) اے ماحیٔ نقشِ باطلِ من ؛ اے فاتح خیبرِ دلِ من

اے میرے دل کے باطل نقوش کو مٹانے والے اور اے میرے دل کے خیبر نما قلعہ کو فتح کرنے والے۔

ظاہر ہے کہ انسان کا دل وسوسہ ہائے شیطانی کی آماجگاہ ہے اور جب لوحِ دل سے نقوشِ باطل یعنی شکوک و شبہات کا صفایا نہ کر دیا جائے اس وقت تک اُس پر نقشِ حق کا صحیح بیٹھنا ناممکن ہے۔ اسی نظریہ کے پیشِ نظر آپ فرماتے ہیں کہ یا علیؑ آپ کے روحانی فیض سے میرے دل کے تمام باطل نقوش مٹ گئے اور میرا دل کلّی طور پر آپ کا مسخر ہو گیا۔

(۴) اے سرِّ خطِ وجوبِ امکاں ؛ تفسیرِ تو سورہ ہائے قرآں

اُے ذاتِ واجب اور عالمِ ممکنات کے خطِ ممیز کے راز قرآن مجید کی سورتیں تیرے مثالی کردار کی تفسیر ہیں۔

سبحان اللہ! کس بلند درجہ کی معرفت ہے۔ حضرت علیؑ کے علوِ شان کا اظہار اس سے بہتر الفاظ میں ناممکن ہے۔ مفہوم یہ ہے کہ آپ بشر ہیں لیکن آپ میں صفاتِ

ایزدی کی جھلک بھی موجود ہے۔ گویا خالق اور مخلوق کے درمیان جو خط ہے اُس کا راز آپ کی ذات والاصفات ہے۔ اس شعر سے اس خیال کا بھی شائبہ ہوتا ہے کہ ممکن ہے علامہ اقبال واقعہ معراج کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے آپ کے ذاتِ وجوب (باری تعالیٰ) اور ممکن اوّل (جناب ختمی مرتبتؐ) کے درمیان وہ خط قرار دے رہے ہوں جس کی حقیقت اب تک صیغۂ راز میں ہے۔

(۵) اے مذہبِ عشق را نمازے ؛ اے سینۂ تو امین رازے

اے وہ جس کو مذہبِ عشق میں نماز کی حیثیت حاصل ہے اور جس کا سینہ رازہائے عشق کا امین ہے۔

ارکانِ اسلام میں نماز کو اوّلیت اور فضیلت حاصل ہے۔ مذہبِ عشق میں آپ کی وہی منزلت ہے جو اسلام میں نماز کی۔ اور آپ کا سینہ رازہائے سربستۂ عشق کا امین ہے۔ غالباً مصرعِ ثانی جنابِ علی مرتضیٰؑ کے اُس فرمان کی تفسیر ہے کہ لو کشف الغطاء ما ازددت یقیناً۔ یعنی میری معرفت اُس نقطۂ کمال تک پہنچ چکی ہے کہ اگر وہ تمام حجابات جو خالق و مخلوق میں حائل ہیں۔ یک وقت اُٹھا دیئے جائیں تو بھی میرے ایمان اور ایقان میں کسی زیادتی کا امکان نہیں۔

(۶) اے سرِّ نبوتِ محمدؐ ؛ اے وصفِ تو ذاتِ محمدؐ

اے نبوتِ محمدؐ کے بھید! تیری تعریف خود رسالتمآبؐ کی تعریف ہے۔

جنابِ رسولِ اکرمؐ، خازنِ اسرارِ ربانی ہیں اور بموجب فرمانِ ختمی مرتبت حضرت علیؑ مدینۂ علمِ نبوت کے دروازہ ہیں۔ اس اعتبار سے بھی وہ اُن تمام اسرارہائے الٰہیہ کے رازدار ہیں، جن کا خزینہ سفینۂ محمدؐ ہیں۔ چونکہ نبوت بھی اسرارِ ربانی میں سے ایک راز ہے۔ اس لئے حضرت علیؑ اس سرِ نبوت سے بھی کماحقہٗ آگاہ ہیں۔ علامہ اقبال نے آپ کے سرِ نبوت سے کامل طور پر آگاہ ہونے کی وجہ سے آپ کو مجسم سِر سے خطاب کیا ہے۔ اس کی ایک اور توجیہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اسرارِ نبوت سے وہی واقف ہو سکتا ہے جو اس وقت موجود ہو، جب یہ نعمتِ عظمیٰ بارگاہِ ایزدی سے سرکارِ رسالتؐ کو عطا ہو رہی ہے۔ اوّل ما خلق اللہ نوری کے مصداق کو جب

یہ موہبت عظمیٰ تفویض ہو رہی تھی۔ اور تو کوئی موجود تھا نہیں، البتہ اس کا موجود ہونا یقینی ہے جس کے متعلق خود جناب رسالتمآبؐ کا فرمان ہے کہ انا و علی من نورٍ واحد۔ اس لحاظ سے آپ اس واقعہ کے عینی شاہد ہوئے، لیکن چونکہ اس کے افشا کی اجازت نہ تھی اس لئے افشا نہ کیا۔ اور سرِ نبوت محمد کہلائے۔

مصرعہ ثانی کا مفہوم ہے کہ جب محمدؐ و علیؑ ایک نور کے دو حصّے ہیں تو اگر ایک حصّہ کی تعریف ہوگی تو دوسرے حصہ کی صفات بھی وہی ہونگی۔ اس لئے علاّمہ فرماتے ہیں کہ تیری تعریف کی جائے تو فی الاصل وہ رسالتؐ کی تعریف ہے۔

(۷) ہر ذرّہ درگہت چو منصور ؛ در جوشِ ترانۂ انا الطّور

آپ کی درگاہ کا ہر ذرّہ منصور بن حلاج کی مانند جوشِ محبّت و معرفت میں انا الطّور کا ترانہ الاپ رہا ہے۔

پہلے چھ اشعار میں علامہ اپنے ممدوح کو مختلف صفاتی ناموں سے پکارنے کے بعد یکایک مدحیہ انداز اختیار کر لیتے ہیں۔ اور علی الاعلان کہتے ہیں کہ اے میرے ممدوح تو اس قدر عالی منصب اور والا مرتبت ہے کہ تیرے دروازے کے ذرّہ کو بھی کوہ طور سے ہمسری کا دعویٰ ہے۔ ظاہر ہے کہ جب آپ کی درگاہ کے ذرّات رشکِ طور ہوں تو آپ کی ذات بلا شبہ رشکِ ہوسیٰ ہے۔

(۸) بے تو نتواں باو رسیدن ؛ بے اُو نتواں بتو رسیدن

تیرے بغیر ذاتِ احدیت تک رسائی ناممکن ہے اور اُس ذاتِ احدیت کے فضل کے بغیر تجھ تک پہنچنا بھی ناممکن ہے۔

جناب رسالتمآبؐ کی ایک مشہور حدیث کا ترجمہ یہ ہے کہ خدا اور اُس کے رسولؐ اور علیؑ کی کما حقّہٗ پہچان عام لوگوں کے بس کا روگ نہیں ہے۔ سوائے میرے اور علیؑ کے کسی نے خدا کو نہیں پہچانا اور سوائے خدا اور علیؑ کے مجھے کسی نے نہیں پہچانا۔ اور سوائے خدا کی ذات اور میرے علیؑ کو کسی نے نہیں پہچانا۔ جب ہی تو علاّمہ اقبال فرما رہے ہیں کہ بغیر وساطتِ علیؑ معرفتِ خدا ناممکن ہے اور بغیر فضلِ ایزدی حضرت علیؑ کی معرفت حاصل کرنا دشوار ہے۔

(۹) فردوس ز تو چمن در آغوش ؛ از شانِ تو حیرت آئینہ پوش

باغہائے بہشت کی رونق اور تازگی تیرے ہی دم قدم کی مرہونِ منّت ہے اور تیرے علوِ مرتبت کے سامنے خود حیرت بھی مجسمۂ حیرت بن کر رہ جاتی ہے۔ مشہور حدیث "الحسن والحسین سیّد شباب اھل الجنّۃ وابوھما افضل من ھما" کے مطابق تمام جوانانِ جنّت کے سردار حسنین علیہم السلام ہیں۔ اور حضرت علیؑ اُن سے بھی افضل ہیں۔ اِس اعتبار سے آپ اہلِ جنّت کے سردار ٹھہرے۔ پھر افضل الناس فی الجنّت کے دم قدم سے جنّت کی زینت کیوں دوبالا نہ ہو۔ اور کیوں آپ کی منزلت اور علوِ شان کو دیکھ کر خود حیرت مبہوت نہ رہ جائے۔

(۱۰) جانم بہ غلامیٔ تو خوشتر ؎ سر بر زدہ ام ز جیب قنبر

میری جان آپ کی غلامی میں کسی اور سے عقیدت کی نسبت زیادہ خوش ہے۔ اور میں نے قنبر کے گریبان سے سر نکالا ہے۔

مصرعہ اولیٰ میں تفضیل بعض اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ علامہ مرحوم یقیناً فضیلت علیؑ کے قائل تھے اور انھیں کسی مفضول کی غلامی کی نسبت آپ کی غلامی زیادہ پسند تھی۔ مصرعہ ثانی میں حضرت علیؑ کے غلام قنبرؓ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ بیشک قنبر آپ کا بہت وفادار غلام تھا۔ لیکن میں بھی اُسی وفاداری اور عقیدت کے ساتھ آپ کی غلامی کا دعویدار ہوا۔ اور میں کسی طرح بھی قنبر سے کم نہیں۔

(۱۱) ہشیارم و مستِ بادۂ تو ؎ چوں سایہ زپا فتادۂ تو

میں بظاہر ہوشیار ہوں۔ لیکن فی الحقیقت میں تیری شرابِ محبّت کا سرشار اور دیوانہ ہوں اور تیری شرابِ محبت کا نشہ اتنا تند و تیز ہے کہ میں بدمست ہو کر سایہ کی مانند گر پڑا ہوں۔ اِس میں ایک لطیف کنایہ یہ ہے کہ جس طرح سایہ خاک نشین ہوتا ہے۔ اسی طرح میں باوجود حالتِ مستی کے خاکسار اور خاک نشین ہوں۔ بخلاف عام میخوار اندال کے کہ وہ نشے کی حالت میں دماغ آسمان پر رکھتے ہیں۔

(۱۲) از ہوش شدم مگر بہوشم ؎ گوئی کہ نصیری خموشم

گو بظاہر میں آپ کی محبت میں اپنے ہوش و حواس کھو چکا ہوں لیکن ایسا بیہوش نہیں

کہ اسرارِ محبت کو طشت ازبام کردوں ۔ اس اعتبار سے میں ظاہری بیہوشی کے باوجود باہوش ہوں نصیری آپ کی محبت میں یوں ہوش کھو بیٹھا کہ جو نہ کہنا تھا، کہنے لگا۔ یہ اس کے ہلکے پن کی دلیل ہے ۔ میں ویسی ہی عقیدت رکھنے کے باوجود خاموش ہوں۔

(۱۳) دانم کہ ادب بضبطِ راز است ؛ در پردۂ خاموشی نیاز است
(۱۴) امّا چہ کنم مئے تولّا !! تند است بروں فتد زمینا

میں خوب سمجھتا ہوں کہ مذہب عشق میں ضبطِ راز ہی صحیح ادب ہے ۔ اور اس سلسلہ میں خاموشی اختیار کرنا ہی صحیح نیاز مندی ہے ۔ کیا کروں میری مئے وِلا اتنی تیز و تند ہے کہ ضبط کی کوششوں کے باوجود مینا (بوتل) سے اچھل پڑی ہے اور میں بے اختیار ہو کر دل کی بات زبان پر لا رہا ہوں۔

(۱۵) زاندیشۂ عاقبت رہیدم ؛ جنسِ غمِ آلِ تو خریدم

میں عاقبت کے خوف سے نجات پا چکا ہوں ۔ کیونکہ میں آپ کی آل کے غم کو خرید چکا ہوں ۔ اور یہ وہ سرمایہ ہے ، جس کی شافع محشر کے ہاں بیحد قدر و قیمت ہے اور ساقی کوثر بھی اسے جواہرات کے مول خریدیں گے ۔ یہی وجہ ہے کہ آپ بے اختیار پکار اٹھے ۔ سہ

واسطہ دونگا اگر لختِ دلِ زہرا کا میں ؛ غم میں کیونکر چھوڑ دیں گے شافعِ محشر مجھے
رونیوالا ہوں شہید کربلا کے غم میں میں ؛ کیا دُرِ مقصد نہ دیں گے ساقی کوثر مجھے
دل میں ہے مجھ بے عمل کے داغِ عشقِ اہلبیت ؛ ڈھونڈتا پھرتا ہے ظلّ دامنِ حیدر مجھے

اقبال مرحوم کے یہ اشعار اس عقیدہ کے آئینہ دار ہیں کہ غم آلِ مصطفےٰ ذریعۂ نجات اُخروی ہے اور اس سرمایہ کی موجودگی میں روزِ محشر کی باز پرس کا خوف نہیں۔

مندرجہ بالا اشعار کے بعد متعدد اشعار اس امر کی وضاحت کرتے ہیں کہ آپ طلب حقیقت میں مارے مارے پھرے ۔ اس سلسلہ میں انھیں بیحد مشکلات کا سامنا کرنا پڑا گوناگون وساوس سے دوچار ہونے کی نوبت آئی ۔ مدتوں اپنی نارسائی پر پریشان اور سرگرداں رہے ۔ لیکن آخر آپ کی محبت آڑے آئی اور تمام عقدے یکایک کھل گئے ۔ اور اسی طرح عقل بُت خانہ کی بھول بھلیوں میں بھٹکنے کی بجائے حرمِ عشق میں وارد ہوئے ۔ اس کامیابی

رآپ یوں سرمست ہوئے کہ انھیں اپنے آپ کا ہوش نہیں رہا اور بیخودی میں جیب و گریبان تار تار کر بیٹھے ..... علیٰ ہذا - ص

(۱۴) در آبلہ خار ہا خلیدہ ؛ صد لالہ تہ قدم دمیدہ

دشتِ طلب میں اس آوارہ گردی کی وجہ سے میرے پاؤں میں چھالے پڑ گئے۔ پھر اُن چھالوں کو کانٹوں نے چھلنی کر دیا اور میرے پاؤں خون سے لہو لہان ہو گئے۔ گویا میرے پاؤں کے نیچے سینکڑوں گل لالہ کھل گئے - پاؤں کے زخمی ہونے اور ان زخموں سے بیابان کو لالہ زار سے تشبیہ دے کر مضمون کو رنگین بنا دیا ہے۔

(۱۵) در دشتِ طلب بسے دویدم ؛ داماں چو گرد باد چیدم

گرد باد کی طرح میں نے دامن کو سمیٹ لیا۔ اور دشتِ طلب میں ہر طرف مارا مارا پھرا یعنی جس طرح گرد باد صحرا کی وسعتوں میں گرداں و پیچاں ہوتا ہے میں بھی اسی طرح ہر طرف سرگرداں و پریشاں پھرا۔

(۱۶) افتادہ گرہ بروئے بکارم ؛ شرمندۂ دامنِ غبارم

میرے کام میں گرہ پڑ گئی تھی۔ یعنی میرے لئے حقیقت کی کنہ تک پہنچنا محال بلکہ ناممکن ہو گیا تھا۔ میں دامنِ غبار کا ممنون ہوں، جو میرے دل پر وارد ہوئے۔ اور جن کی وجہ سے حقیقت کا چہرہ مجھے صاف نظر نہ آتا تھا۔ اس عدمِ اطمینان کی صورت میں میرا تلاشِ حق میں نکلنا ضروری ٹھہرا اور اس کوشش میں مقصود اصلی تک پہنچ گیا۔

(۱۷) پویاں بے خضر بسوئے منزل ؛ بر دوشِ خیال بستہ محمل

میں کسی راہبر و رہنما کی ہدایت کے بغیر اپنے ہی دوشِ خیال پر محمل باندھے ہوئے رواں دواں تھا۔ یعنی میں طالبِ حقیقت تو تھا لیکن اس سلسلہ میں بغیر کسی کی رہنمائی کے تلاش و تجسس کی دھن میں لگا ہوا تھا۔

(۲۰) جویاں مے و شکستہ جامے ؛ چوں صبح بباد چیدہ دامے

میری کیفیت اس مے پرست کی سی تھی جو جستجوئے شراب میں تو تھا۔ لیکن ایک شکستہ جام لئے ہوئے۔ یعنی اگر شراب مل بھی جائے تو میرے پاس شراب اُنڈیلنے کے لئے سالم

پیالہ بھی نہ تھا۔ یا یوں سمجھئے کہ میں نے صبح کی ہوا میں طائرِ حقیقت کو گرفتار کرنے کے لئے ہوا کے رُخ کے خلاف جال بچھا رکھا تھا۔ ظاہر ہے کہ ایسی حالت میں کسی شکار کا دام میں پھنسنا محال تھا۔ اور میں ایک سعیٔ لاحاصل میں مبتلا تھا۔

(۲۱) پیچیدہ بخود چو موجِ دریا ٭ آوارہ چو گردبادِ صحرا

میں موجِ دریا کی مانند یہ خود غلطاں و پیچاں تھا۔ اور صحرا کے بگولے کی مانند اس دشتِ طلب میں آوارہ و سرگرداں تھا۔ یعنی میں موجِ دریا اور بگولے کی طرح مصروفِ کوشش تو تھا۔ لیکن مجھے اپنی منزل کا پتہ نہ تھا۔

(۲۲) وامانده ز دردِ نارسیدن ٭ وز آبلہ شکستہ دامن

میں منزلِ مقصود تک عدمِ رسائی کے درد کی وجہ سے عاجز اور شکستہ خاطر ہو چکا تھا اور میرے پاؤں پر دشتِ طلب میں آوارہ گردی کی وجہ سے آبلے پڑ گئے تھے اور ان آبلوں کی وجہ سے میں مزید تلاش سے عاجز ہوا چاہتا تھا اور عالمِ یاس میں دامنِ طلب کو بھی پھاڑ چکا تھا۔

(۲۳) عشقِ تو بدلم ربود ناگاہ ٭ از کار گرہ کشود ناگاہ

اِس پریشان حالی اور سرگردانی میں اچانک آپ کی محبت نے میرے دل کو چھین لیا اور اس کے ساتھ ہی میرے تمام عقدے حل ہو گئے۔ یعنی آپ جیسے رہبرِ کامل کے مل جانے سے میری تمام پریشانیاں اور مشکلات دور ہو گئیں۔

(۲۴) آگاہ ز ہستی و عدم ساخت ٭ بتخانۂ عقل را حرم ساخت

آپ کے عشق نے مجھے ہستی و عدم کی ماہیت سے آگاہ کر دیا اور میں عقل کے بتخانہ سے نکل کر داخلِ حرم ہو گیا۔ یعنی میرے دل سے ماسوا کی محبت اور احترام نے رختِ سفر باندھا اور اس کی بجائے خالص توحید نے ڈیرے ڈالے۔

(۲۵) چوں برق بخرمنم گذر کرد ٭ از لذتِ سوختن خبر کرد

آپ کے عشق کا میرے خرمنِ دل پر بجلی کی طرح گذر ہوا۔ اور اس نے مجھے سوزِ دل کی لذتوں سے باخبر کر دیا۔ یعنی برقِ عشق نے عقلی تخلیقات، وساوسِ شیطانی اور گمراہ کن خیالات کو جلا کر رکھ دیا۔ اور درد و سوزِ محبت کی چاشنی سے روشناس کیا۔

(۲۶) بر باد متاعِ ہستیم داد ؛ جامے زمے حقیقتم داد

آپ کے عشق نے میرے متاعِ ہستی کو برباد کردیا اور اس کی بجائے مئے حقیقت کے جام پلوائے۔ یعنی میں جو عقل اور فلسفہ کو اپنا متاعِ زندگی تصور کئے ہوئے تھا وہ متاعِ عشق کے ہاتھوں لٹ گیا اور میں اس عارضی زندگی کی رنگینیوں سے آزاد ہو کر حریم عشق میں جامہائے معرفت چڑھانے لگا۔

(۲۷) سرمست شدم زپا فتادم ؛ چوں عکس زخود جدا فتادم

میں شراب محبت میں سرمست ہو کر گر پڑا اور اپنے آپ سے یوں باہر ہوگیا جس طرح کسی چیز کا عکس اپنی اصل سے الگ ہوجاتا ہے۔ یعنی مجھے عشق کی مستی میں اپنے تن من دھن کی خبر نہ رہی۔

(۲۸) پیراہنِ ما و من دریدم ؛ چوں عکس زچشم خود چکیدم

اس مستی کے عالم میں میں نے پیراہن اپنے ہی ہاتھوں سے تار تار کردیا۔ اور عکس کی مانند میں خود ہی اپنی نظروں سے گر گیا۔ یعنی میری انا ختم ہوگئی اور مجھے اپنی بے مائیگی کا یقین ہوگیا۔ اور جب مجھے اپنی حقیقت کا عرفان حاصل ہوا تو میری وہ تمام غلط فہمیاں جو اپنے متعلق تھیں دور ہوگئیں اور مجھے اپنی بے حقیقت ہستی معلوم ہوگئی۔

(۲۹) خاکم بفرازِ عرش بردی ؛ زاں راز کہ با دلم سپردی

آپ کی نظر کرم نے میری خاک کو اوجِ عرش عطا کیا۔ اور یہ اوج اس راز کے صدقہ میں ملا جو تو نے میرے دل پر وا کیا۔ یعنی رازِ حقیقت سے آگاہی نے مجھ حقیر اور بے قیمت کو عزیز اور بیش قیمت بنا دیا۔

(۳۰) واصل بکنارِ کشتیم شد ؛ طوفانِ جمالِ زشتیم شد

میری کشتی کنارے پر جا لگی اور میری تمام برائیاں طوفانِ جمال بن گئیں۔ یعنی میں اپنی منزل مقصود پر پہنچ گیا۔ اور میری تمام کمزوریاں اور خامیاں اعمال حسنہ میں بدل گئیں۔

(۳۱) جز عشق حکایتے ندارم ؛ پروائے ملامتے ندارم

اب میری زبان پر تیرے عشق و محبت کی باتوں کے سوا اور کوئی بات ہی نہیں۔ اور نہ مجھے اپنے عمل پر کسی کی ملامت کی پرواہ نہیں۔ کیونکہ یہ عشق کا دیرینہ دستور ہے کہ وہ خلقِ خدا کی طرف سے عیب جوئی اور ملامت کو خاطر میں نہیں لاتا۔ جس طرح سعدی علیہ الرحمہ نے اظہار کیا تھا۔ کہ ؎

خلق می گوئید کہ سعدی بُت پرستی می کند
آری آری می کنم، با خلق ما را کار نیست

(۳۲) از جلوۂ عام بے نیازم ٭ سوزم، گریم، تپم، گدازم

میں جلوہ عام سے بے نیاز ہو کر سوز، گریہ، بیقراری اور گداز میں لذت محسوس کر رہا ہوں۔ گویا وہ راز ہی یہی تھا جس سے آپ نے مجھے سرفراز فرمایا کہ میں جلوۂ عام کی خواہش کو ترک کردوں۔ اور سوزِ دروں۔ لذت گریہ اور کرب و اضطراب کی لذتوں سے لطف اندوز ہوں ——— مندرجہ بالا اشعار میں مطالب و مفہوم کا بنظرِ غائر جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ علامہ موصوف عشقِ علیؑ میں اس حد تک غلطاں تھے کہ انہیں اس سلسلہ میں دنیا اور اہلِ دنیا کی ملامتوں کی پرواہ تک نہ رہی۔ اور بے ساختہ پکار اُٹھے۔ ع۔ گوئی کہ نصیری خامشم۔ ان اشعار کا بار بار مطالعہ کیجئے تاکہ آپ کو معلوم ہو جائے کہ علامہ موصوف معرفتِ علیؑ کے کس درجہ پر فائز تھے۔ اُن کی عقیدت و محبت کس انتہا تک پہنچی ہوئی تھی ان کا یوں برملا اظہارِ حقیقت کم ظرف اور تنگ نظر ملاؤں کو ایک آنکھ نہ بھایا اور وہ بے ساختہ چلا اُٹھا:۔ ؎

ہے اس کی طبیعت میں تشیع بھی ذرا سا ٭ تفضیل علیؑ ہم نے سنی اس کی زبانی

لیکن اقبال اُسے یہ جواب دیتے ہیں کہ تو جس فقر کا علمبردار بنا بیٹھا ہے اور جس کا تو اپنے آپ کو ٹھیکیدار سمجھتا ہے، یہ فقر نہیں ہے۔ کیونکہ تو خود تو آرام و سکون اور عیش و عشرت کی زندگی گزارتا ہے۔ غرباء کے خون پسینے کی کمائی چند منٹوں کے بے عمل وعظ میں بٹور لیتا ہے۔ اس سے عیش و آرام اور فارغ البالی سے گذران کرتا ہے لیکن سامنے جو کہ اس زر سے فائدہ اٹھانے کے زیادہ حقدار ہیں، کسمپرسی کی زندگی گذارتے ہیں۔

وہ مُلّا کو ہدایت کرتے ہیں کہ اگر وہ سچّا داعی اسلام ہے تو اُسے حضرت علیؑ کے اسوہ پر عمل کرنا چاہیئے۔ کیونکہ حضرت علیؑ ہی وہ ہستی ہیں جو ایک طرف تو منبر پر آکر سلونی سلونی..... کا دعویٰ کرتے ہیں اور دوسری طرف اپنی روزی کمانے کے لئے یہودیوں کے باغوں میں مزدوری کرتے نظر آتے ہیں۔ یہی علیؑ جو نانِ جویں پر گذران کرتے ہیں۔ خیبر جیسے قلعے کے دروازے کو توڑ دیتے ہیں۔

کبھی سرمایہ محرابِ و منبر ٭ کبھی مولا علیؑ خیبر شکن عشق

جناب امیر علیہ السلام کی شان میں علامہ اقبال کا ایک اور قصیدہ ملاحظہ فرمائیں۔ جس میں آپ نے اچھوتے انداز میں عقیدت کے پھول بارگاہِ جناب علیؑ مرتضیٰ میں چڑھائے ہیں۔ ؎

(۱) مسلم اوّل شہ مرداں علیؑ ٭ عشق را سرمایۂ ایماں علیؑ

علامہ اقبال اسمائے حضرت علیؑ مرتضیٰ کی شرح آپؑ کے دو صفاتی ناموں مسلم اوّل اور شہ مرداں سے شروع کرتے ہیں اور آپ کے عشق کے لئے سرمایۂ ایمان قرار دیتے ہیں۔ آپ کی سبقت فی الاسلام میں کسی کو اختلاف نہیں۔ البتہ بعض متعصب دشمنانِ آلِ محمدؐ نے آپ کے اِس شرف کی روشنی کو مدھم کرنے کی حیلہ سازیوں اور متعصبانہ قلابازیوں سے کام لینے کی کوشش کی ہے۔ کسی نے یہ کہہ کر بزعم خود آتش حسد پر پانی ڈالا کہ علیؑ بچّوں میں سابق الاسلام ہیں۔ کسی نے کہا یہ سبقت فی الاسلام تقدیم و تاخیر کے لحاظ سے نہیں بلکہ عظمت و شرف کے لحاظ سے ہے۔ حالانکہ اس سلسلہ میں جناب رسالتمآبؐ کی احادیث اور خود جناب حیدرِ کرار کے اقوال اتنے واضح اور صاف ہیں کہ اُن کے مقابل کوئی حجت پیش کرنا خود اپنا منھ کالا کرنا ہے۔ فرمانِ رسالت ہے:۔ ..." یا علیؑ انت اوّل المومنین ایماناً و اوّلھم اسلاماً..."
ایک اور مقام پر انھیں الفاظ کو یُوں فرمایا:۔" انت اول المسلمین اسلاماً و انت اول المومنین ایماناً..." خود حضرت علیؑ کا فرمان ہے:" فانی ولدت علی الفطرت و سبقت الی الایمان ...." آپ نے ایک شعر میں اپنے سابق

فی الاسلام ہونے کو یوں ظاہر فرمایا ہے :۔ ؎

سبقتکم الی الاسلام طفلا
صغیرا ما بلغت اوان حلمی

اس حقیقت سے کسی کو انکار نہیں کہ شجاعت و مردانگی میں جناب علیؑ مرتضیٰ اپنی مثال آپ ہی تھے۔ اور مردان حق کے بادشاہ تھے۔ کیا خوب کہا گیا ہے۔ ؎

شاہ مرداں شیر یزداں قوّتِ پروردگار ؒ لافتیٰ الا علیٰ لاسیف الا ذوالفقار

مصرعہ ثانی میں اس بات کا اعادہ کیا گیا ہے کہ آپ عشق کے لئے سرمایہ ایمان ہیں عشق سے مراد عشق ربّانی ہے۔ عشق و محبت الٰہی میں وہ منزلت ہے جو کسی اور کو نصیب نہیں ہوئی۔ اعلائے کلمۃ الحق کے لئے جان تک کی پروانہ کرنا آپ کے عشق کی ایک ادنیٰ مثال ہے۔ عہد رسالت کی تمام جنگوں میں آپ کا نمایاں کردار اور شب ہجرت بستر رسولؐ پر استراحت آپ کے عشق بے مثال کا ہی نتیجہ تھا۔ اور ابن ملجم ملعون کے ہاتھوں کاری ضرب کھا چکنے کے بعد فزت برب الکعبہ نے تو آپ کے عشق و محبت اور عرفان پر آخری مہر ثبت کر دی۔

(۲) از ولائے دودمانش زندہ ام ؒ در جہاں مثل گہر تابندہ ام !

میں آپ کے خاندان کی محبت کے طفیل زندہ ہوں اور اسی اشرف کی بنا پر اور اسی محبّت کی برکت ہے کہ میں دنیا میں ایک گوہر آبدار کی طرح درخشاں ہوں۔ اپنی عقیدت کا اظہار شاید وہ ان سے بہتر الفاظ میں نہیں کر سکتے تھے۔

(۳) نرگسم وارفتہ نظارہ ام ؒ در خیابانش بود آوارہ ام

میں نرگس ہوں یعنی نرگس کے مانند سراپا چشم نظارہ ہوں۔ اور اسی دھن میں خیابان آل محمدؐ میں بوئے گل کی طرح پھر رہا ہوں۔ جس طرح ہوا پھولوں کی بو باس کو دامن میں سمیٹے باغ کے گوشے گوشے میں پھرتی ہے۔ اسی طرح میں ولائے علیؑ کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے وارفتگی کے عالم میں دنیا کے گوشے گوشے میں پھر رہا ہوں اور محبان آل محمد کے مشاموں کو راحت و تازگی کے سامان مہیا کرتا رہا ہوں۔

(۴) زمزم از جو شد ز خاکِ من است ؛ مے اگر ریزد ز تاکِ من از دست

اگر میری خاک سے زمزم کے پاک و پاکیزہ چشمے ابل رہے ہیں تو اس میں میرا کوئی کمال نہیں بلکہ یہ سب اُسی ذاتِ مقدس کا فیض ہے۔ اور اگر میرے انگور سے مئے وِلا ٹپک رہی ہے تو یہ بھی انھیں کی چشمِ کرم کا فیض ہے۔ گویا میرے جملہ کمالات حبِ آلِ محمد کا نتیجہ ہیں۔

(۵) خاکم و از مہرِ اُو آئینہ ام ؛ می تواں دیدن نوا در سینہ ام

میں ایک مشت خاک سے زیادہ نہیں اور خاک کی صفت تاریکی ہے۔ لیکن میری یہ تاریک خاک آپ کی محبت کی جلا پا کر آئینہ بن چکی ہے اور آپ کے فیضِ نظر سے اس کی یوں قلبِ ماہیت ہو چکی ہے کہ میرے سینے سے اٹھتی ہوئی ہر نوا بآسانی دیکھی جا سکتی ہے۔ نزاکتِ خیال ملاحظہ ہو کہ نوا جو بذاتِ خود دیکھنے کی چیز نہیں۔ اور پھر ظرفِ سینہ میں بند ہوتے ہوئے بھی اس کا نظر آجانا ایک معجزہ سے کم نہیں۔

(۶) از رُخِ اُو فال پیغمبر گرفت ؛ ملتِ حق از شکوہش فر گرفت

آپ کے چہرے سے حضرت رسالتمآبؐ نے فال لی اور آپ کے شکوہ و ہیبت سے ملتِ حق کو شایانِ شان شوکت و حشمت نصیب ہوئی۔ محمد مصطفےٰ کا فرمان ہے:۔ النظر الی وجہ علی ابن طالب عبادۃ۔ اس امر کی قوی شہادت ہے کہ آپ رُخِ علیؑ ابنِ ابیطالب کو کتنا مبارک خیال کرتے تھے۔ اور تلاوتِ وجہِ علیؑ کو عبادت تصور فرماتے تھے۔ اِلّا وحیٌ یُوحیٰ کے مصداق حکم اختلاف کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ بالفاظ دیگر یہ حکمِ خدا ٹھہرا۔ سبحان اللہ کیا منزلت ہے، اخی پیغمبرؐ کی جس کی شکوہ ملتِ حق کا منبع و مصدر قرار دیا گیا ہے۔

(۷) قوّتِ دینِ مبیں فرمودہ اَش ؛ کائنات آئیں پذیر از دودہ اش

آپ کا ہر فرمان تقویتِ دینِ مبین کا باعث ہوا اور کائنات میں آئینِ اسلام کی اشاعت کا فریضہ آپ کے خاندان کے ذریعے پایۂ تکمیل کو پہنچا۔ اِس حقیقت میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں کہ چہاردہ معصومین علیہم السلام کی زندگیاں ترویج و اشاعتِ اسلام کے لئے وقف تھیں نہ انھیں ظاہری نام و نمود سے سروکار تھا نہ دنیاوی مال کا لالچ۔ جو کچھ کیا گیا قربۃً الی اللہ کیا گیا۔

(۸) مرسلِ حق کرد نامش بوتراب ⁂ حق یداللہ خواند در ام الکتاب

جنابِ رسالتمآبؐ نے آپ کو ابوتراب کا نام دیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے کلام مجید میں آپ کو یداللہ کے نام سے سرفراز فرمایا۔ مصرعہ اولیٰ اُس مشہور تاریخی واقعہ کی طرف اشارہ کر رہا ہے جس میں رسالتمآبؐ نے قم قم یا ابوتراب کہہ کر شیرِ خدا کو بسترِ خاک سے بیدار فرمایا تھا۔ ظاہر بین نگاہیں تو صرف یہاں تک پہنچیں کہ حضرت علیؑ کا جسمِ اطہر زمین پر استراحت فرمانے کی وجہ سے خاک آلود تھا۔ اس لئے حضورؐ نے انھیں ابا تراب کا لقب عطا فرمایا۔ لیکن حقیقت بین نگاہوں پر یہ امر پوشیدہ نہیں کہ جناب رسالتمآبؐ کے فرمودات ایسی سطحی نوعیت کے نہیں ہو سکتے۔ آپ کا اصل مفہوم یہ تھا کہ یا علیؑ آپ نے اپنی اقلیمِ جسم اور نفسِ امارہ کو مسخر کر لیا ہے۔ اور جسم کا تعلق خاک سے ہے، اس لئے ابا تراب کا لقب ہی آپ کو زیبا ہے اور اگر اسے مزید وسعتِ نظر کے آئینہ میں دیکھیں تو آپ نے حضرت علیؑ کو تمام کرہ ارض کا مالک و مختار کہہ کر پکارا۔ اس خیال کی تائید اسی قصیدہ کے ایک اور شعر میں موجود ہے۔ ؎

ہر کہ در آفاق گردد بوتراب ⁂ باز گرداند ز مغرب آفتاب

مصرعہ ثانی میں کلام پاک کی آیہ مجیدہ ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ ط ید اللہ فوق ایدیھم کی طرف اشارہ ہے۔

(۹) ہر کہ دانائے رموزِ زندگی ست ⁂ سرِ اسمائے علیؑ داند کہ چیست

جو شخص کہ زندگی کے رموز اور ماہیت سے آگاہ ہے وہ سمجھ سکتا ہے کہ حضرت علیؑ مرتضیٰ کے ناموں میں کیا بھید پوشیدہ ہے۔ علامہ موصوف یہ کہہ کر اُن اسماء کے اسرار کی تفسیر شروع کرتے ہیں۔ اور سب سے پہلے ابوتراب کے لقب کے ضمن میں فرماتے ہیں۔

(۱۰) خاکِ تاریکے کہ نام اُو تن است ⁂ عقل از بیدادِ او در شیون است

(۱۱) شیرِ حق ایں خاک را تسخیر کرد ⁂ ایں گلِ تاریک را اکسیر کرد

(۱۲) مرتضیٰ کز تیغ او حق روشن است ⁂ بوتراب از فتحِ اقلیمِ تن است

علامہ فرماتے ہیں کہ بے نور مٹی جس کا نام جسم ہے، عقل اس کے ظلم و ستم سے فریاد کر رہی ہے۔ شیرِ خدا نے اس تاریک خاک کو مسخر کیا۔ اور اس تسخیر کے اثر سے یہ بے نور مٹی اکسیر

بن گئی۔ وہ علیؑ مرتضیٰ جن کی تلوار نے دنیا میں حق وصداقت کے پرچم لہرائے، ان کا خطاب ابو تراب اسی تسخیر تن کی وجہ سے تھا۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ جسم انسانی عناصر کے لئے ایک قفس کی حیثیت رکھتا ہے اور اس قفس میں قید ہو کر ان عناصر کی روحانی قوتوں کی پرواز ختم ہو جاتی ہے۔ کائنات تن نفس امّارہ کی محکوم ہے اور وہ اُسے اپنی مرضی کے مطابق چلاتا ہے۔ اور جب جسم اور تن نفس امارہ کے اشاروں پر کام کریں تو انسان کے روحانی ارتقا کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا چونکہ حضرت علیؑ شیرِ خدا نے اپنے نفس امارہ کو مسخر کر لیا تھا۔ اور نفس امارہ کی تسخیر کے ساتھ جسم خاکی بھی مسخر ہو گیا تھا۔ اس لئے ان کی تمام تر کوششیں اعلائے کلمۃ الحق کی اشاعت میں صرف ہوئیں۔ اور چونکہ ان کوششوں میں ذاتی منفعت مقصود نہ تھی، اس لئے جس طرف بھی آپ نے رُخ کیا، فتح و نصرت نے آپ کے قدم چومے۔ چونکہ کامیابی تسخیر تن کے نتیجہ میں حاصل ہوتی تھی، اس لئے سرکارِ رسالت نے آپ کو ابو تراب کا خطاب عطا فرمایا۔

(۱۳) مردِ کشور گیر از کرّاری است ؎ گوہرش را آبرو خود داری است

حضرت علیؑ کے القابات میں سے ایک لقب کرّار بھی ہے۔ علامہ اقبالؔ فرماتے ہیں کہ جب تک انسان اپنے اندر صفتِ کرّاری کے جوہر پیدا نہ کرے، عزم میں پختگی و استواری، عمل میں استقلال، پامردی اور استقامت نہ ہو تو وہ نہ کشور کشا ہو سکتا ہے اور نہ ہی کشور گیر۔ اس کے ساتھ ہی خودداری کی صفت بھی ضروری ہے ورنہ اس کے گوہر کی آبرو نہ ہوگی۔

کرّار کے معنی بار بار حملہ کرنے والا، اور یہ صفت شیرِ خدا میں بدرجۂ اتم موجود تھی۔ اسی لئے تو جنابِ ختمی مرتبت نے آپ کو کرّار غیر فرّار کے لقب سے سرفراز فرمایا۔ تاریخ گواہ ہے کہ حضرت علیؑ نے کبھی میدان جنگ سے مُنہ نہ موڑا اور کبھی دشمن کو پیٹھ نہ دکھائی۔ بلکہ دشمن کے مقابلہ میں ہمیشہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن گئے۔

(۱۴) ہر کہ در آفاق گردد بو تراب ؎ باز گرداند ز مغرب آفتاب

جو کوئی اس دنیا میں نفس امّارہ پر قابو پا لیتا ہے اور جو ابو تراب ہو، وہ ڈوبے ہوئے

سورج کو واپس لاسکتا ہے۔ اس شعر میں رجعت شمس کے معجزہ کی طرف اشارہ ہے جو حضرت علیؑ سے منسوب ہے۔ یہ بات حق الیقین تک پہنچی ہوئی ہے۔ ابتدائے عالم سے اب تک کسی نے ڈوبے ہوئے سورج کو نہیں پلٹایا۔ جناب رسالتمآبؐ نے انگلی کے اشارے سے چاند کو دو ٹکڑے کیا۔ اور ان کے وصی اور جانشین نے سورج کو مع تمام نظام شمسی کے واپس لوٹایا۔ لاریب ایسے معجز نما نبی کو ایسا ہی معجز نما وصی زیب دیتا ہے۔

(۱۵) ہر کہ زیں مرکب تن تنگ ببست ؛ چوں نگیں برخاتم دولت نشست

جس نے اپنے جسم کے گھوڑے پر مضبوطی سے زین کو کس لیا، وہ نگینہ کی طرح سلطنت کی مہر یا انگوٹھی میں جاگزین ہوا۔ انسان کا نفس سرکش اور منہ زور گھوڑے کی مانند ہے۔ ایسے سرکش کو قابو کرنا ہر کس و ناکس کا کام نہیں۔ لیکن جس آدمی نے نفس سرکش کے رہوار کو اچھی طرح قابو کر لیا، وہ حکومت اور سلطنت کا مالک ہوا۔

(۱۶) زیر پائش ایں جا شکوہ خیبر است ؛ دست او آنجا قسیم کوثر است

جس نے اپنے سرکش نفس کو اپنا مطیع و منقاد بنا لیا، اس دنیا میں خیبر کی شان و شوکت اس کے قدموں کے نیچے ہے۔ یعنی وہ خیبر جیسے مضبوط اور عظیم الشان قلعے کو بیخ و بن سے اکھاڑنے کی صلاحیت رکھتا ہے اور آخرت میں اسے حوض کوثر کا ساقی بنا دیا جاتا ہے۔ تاکہ خیر کثیر کے اس سرچشمہ سے جام بھر بھر کر محبین اور مخلصین کو پلایا کرے۔ قلعہ خیبر کی اس فتح کو ایسے انداز سے بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ خیبر کوئی معمولی قلعہ نہ تھا۔ اس کی استواری اور مضبوطی پر کفار کو بڑا ناز تھا۔ اور مجاہدین اسلام مسلسل انتالیس دنوں کی کوشش کے باوجود اسے سر کرنے میں کامیابی سے ہمکنار نہ ہو سکے۔ لیکن حضرت علیؑ نے ایک ہی حملہ میں اس کی بنیادیں تک ہلا دیں۔ یہ بھی آپ کے معجزات میں سے ایک معجزہ تھا۔

آپ کا دوسرا معجزہ باب خیبر کو اکھاڑنا تھا۔ جس کے متعلق ابن الحدید نے اپنے قصیدے میں اس معجزہ کی طرف اشارہ کیا ہے :۔

یا قالع الباب الذی عن ھزہ ؛ عجزت اکف اربعون واربع

اے اس دروازہ کو اکھاڑنے والے، جس کو حرکت دینے سے چوالیس آدمی عاجز تھے

خود حضرت علیؑ کا فرمان ہے۔ ما قلعت باب الخیبر بقوۃ جسمانیۃ بل بقوۃ ربانیۃ۔
یعنی میں نے باب خیبر کو قوت بشری سے نہیں بلکہ قوت ربانیہ سے اکھاڑا۔
اس شعر کے مصرعۂ ثانی میں آپ کے ایک لقب "ساقی الحوض والکوثر" کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ یہ وہ عز و شرف ہے جو آپ کے سوا کسی کو نصیب نہیں ہوا۔

(۱۷) از خود آگاہی ید اللّٰہی کند ٭ از ید اللّٰہی شہنشاہی کند

وہ اپنے آپ کو پہچانتا ہے اور اس خود آگاہی کی وجہ سے ید اللہ بن جاتا ہے اور ید اللہ فوق ایدیھم کے مصداق اس کی تمام عالم پر شہنشاہی ہوتی ہے۔ "من عرف نفسہٗ فقد عرف ربہٗ" جس نے اپنے آپ کو پہچانا اُسے معرفت خدا نصیب ہوئی اور جسے معرفت خدا ہو گئی وہ اللہ تعالیٰ کا اطاعت گزار بندہ ہو گیا اور بموجب فرمان ایزدی اُس نے اللہ کی رضائیں خرید لیں۔ اور ایسے ہی بندگان خدا کے ہر فعل کو اللہ نے اپنا فعل قرار دیا ہے۔ ان کا ہاتھ ید اللہ۔ آنکھ عین اللہ کان اُذن اللہ۔ علیٰ ہذا مذکورہ بالا اصول کے مطابق مرد خود آگاہ ید اللہ ہوا اور ید اللہ فوق ایدیھم کے فرمان کے مطابق وہ ما فیہا کا حکمران اور شہنشاہ ٹھہرا۔

(۱۸) ذاتِ اُو دروازۂ شہرِ علوم ٭ زیرِ فرمانش حجاز و چین و روم

آپ کی ذاتِ والا صفات شہر علوم کا دروازہ ہے اور حجاز و چین و روم آپ کے زیر فرمان ہیں۔

اِس شعر میں رسول اللہؐ کی مشہور حدیث انا مدینۃ العلم و علیؑ بابہا کی طرف اشارہ ہے۔ ایک اور حدیث ہے "من اراد العلم فلیات الباب" جو علم حاصل کرنا چاہے وہ دروازہ سے آئے۔ اِس میں اللہ تعالیٰ کا فرمان واتوا البیوت من ابوابھا۔ گھروں میں ان کے دروازوں سے آؤ۔ اِن احکام کے اعتبار سے ہر مسلمان پر فرمان علیؑ کی اطاعت اس لئے لازم ہے کہ وہ فی الاصل فرمان نبیؐ ہے۔ اس لئے جہاں جہاں تک فرمان نبیؐ کی اشاعت ہوئی، وہاں وہاں تک فرمان علیؑ کی اشاعت ہوئی۔ اِسی لئے علامہ اقبال مصرعۂ ثانی میں فرماتے ہیں کہ حجاز و چین و روم سب آپ کے زیر فرمان ہیں۔

(۱۹) حکمراں باید شدن بر خاک خویش ؛ تا مئے روشن خوری از تاکِ خویش

علامہ مرحوم جناب حضرت علیؑ کی صفات کو بیان کرنے کے بعد تلقین کرتے ہیں کہ انسان کو چاہئے کہ وہ اپنے جسم پر حکمران بنے ۔ تاکہ وہ اپنے انگور سے شراب ناب پی سکے ۔ مقصد یہ ہے کہ جب تک انسان اپنے جسم اور نفس امارہ پر قابو نہیں پالیتا وہ اس وقت تک اپنے جوہر ذاتی سے جو اس کو ودیعت کیا گیا ۔ حظِ وافر حاصل نہیں کر سکتا اور اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے حضرت علیؑ کی اطاعت و تقلید لازم و لابد ہے۔ مندرجہ بالا شعر کی اگر کھل کر تشریح کی جائے ۔ ع ۔

سفینہ چاہئے اس بحرِ بیکراں کے لئے

علامہ نے سمندر کو ایک کوزے میں بند کر دیا ہے ۔ اور جناب امیرؑ کے فیض عام اور ان کے علم کے ناپیدا کنار سمندر کے جواہرات کی تابانیوں کی خیرہ کن چمک دمک سے نقاب کشائی کی ہے ۔ اگر انسان اس قصیدے کے ہر شعر کو بہ نظرِ غائر دیکھے، پڑھے اور سمجھے تو حقیقت کے بحرِ عمیق سے گوہرہائے مقصود لے کر اپنا دامن پُر کرے ۔ اس قصیدہ میں اقبالؔ نے حضرت علیؑ کی بہت سی صفات کو ایک ایک کر کے بیان کیا ۔ جس کو کبر و نخوت کے پیکر جناب امیرؑ کی شان میں بیان کرنے سے صرف پہلو تہی ہی نہیں کرتے بلکہ انھیں خود رسولِ مقبول پر غصہ آتا ہے کہ انھوں نے یہ باتیں حضرت علیؑ کی شان میں کیوں فرمائیں

علامہ نے نہ صرف ان باتوں کو بیان کیا بلکہ ان پر اپنے ایمان کامل کا اظہار کر کے امت مرحومہ کو ہدایت کی کہ اگر وہ اپنی دنیا اور عاقبت کو سنوارنا چاہتی ہے تو اسے چاہئے کہ جناب علیؑ کے درِ فیض عام پر جبہ سائی کرے تاکہ وہ گوہرِ مراد پا سکے ۔ اور صحیح معنوں میں مسلمان کہلانے کے اہل ہو سکیں ۔ اسی لئے تو اقبالؔ نے ایک ایسی شخصیت اور شہرت حاصل کی ، جس نے انھیں ہمیشہ کی زندگی عطا کی ۔ جسے زمانہ کے حوادث بالکل مٹا نہیں سکتے ۔ اور وہ سرزمین پاک و ہند سے نکل کر تمام دنیا میں عزت کی نگاہوں سے دیکھی جاتی ہے ۔ آج نہ صرف ہندی اور پاکستانی اقبالؔ کے گرویدہ ہیں بلکہ ایرانی و عراقی ، رومی و مصری ، جرمنی و برطانوی بھی اقبالؔ

کی عظمت کا لوہا مانتے ہیں ۔ علامہ کا پیغام بھی ایک عالمگیر پیغام ہے۔ انھیں یہ یقین تھا کہ موت کے بے رحم ہاتھ ان کو نہیں مار سکتے۔ ؎

یہ نکتہ میں نے سیکھا بوالحسن سے ٭ کہ جاں مرتی نہیں مرگِ بدن سے

جب اقبالؔ کا ایمان ابوالحسن کے اقوال پر اتنا پختہ تھا کہ موت تک کی پروا نہ کرتے تھے تو پھر موت انھیں کیسے مار سکتی تھی ۔ ایسے لوگ موت کو مارنے کے درپے ہوتے ہیں ۔ ظاہری پردہ پوشی کے بعد ان کی قدر بڑھ جاتی ہے ۔ اگرچہ اقبالؔ نے تو زندگی میں ہی اتنی شہرت پائی تھی کہ موت کے بعد انھیں موت کی وجہ سے زیادہ عظمت حاصل کرنے کی ضرورت نہ رہی ۔ یہ سب کچھ غلامیٔ حیدرؔ کا نتیجہ تھا ۔ اسی لئے تو فرماتے ہیں کہ ۔ ؎

میرے لئے ہے فقط زورِ حیدری کافی ٭ ترے نصیب فلاطوں کی تیزیٔ ادراک
مری نظر میں یہی ہے جمال و زیبائی ٭ کہ سر بسجدہ ہیں قوت کے سامنے افلاک

چونکہ اقبالؔ کو حضرت امیرؑ کے ہر فعل سے عقیدت تھی ۔ اس لئے وہ قوی پنجہ اور قوتِ خیبری کی بہت تعریف کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ ہر مسلمان میں قوت بدرجۂ اتم ہونی چاہئے ۔ وہ کبھی تو قوم کے ان لوگوں کو پسند کرتے ہیں ، جو ستاروں پر کمندیں ڈالنے والے ہوں ۔ کبھی کہتے ہیں کہ مجھے قوم کے اُن بچوں سے اُنس ہے ، جن میں شاہین کے صفات اور چیتے کی نظر ہو ۔ یعنی وہ کبھی بھی باطل کے سامنے جھکنے اور دبنے والے نہ ہوں ۔ یہ کس لئے تھا ۔ محض اس لئے کہ علامہ مسلمانوں میں اسوۂ حیدری کو اپنانے میں ہی خیریت سمجھتے تھے ۔ وہ مسلمانوں کو بتاتے ہیں کہ ۔ ؎

اے پسر ہا جوہر اندر قافِ تو ٭ ذوالفقار حیدر از اسلافِ تو

اے مسلمان ! حضرت علیؑ کی تلوار تیرے ہی بزرگوں کی میراث ہے ۔ یعنی تیرے ہی اسلاف کی یہ صفت تھی کہ وہ صورتِ فولاد رہتے تھے ۔ اگر تو ان کا جانشین اور سپوت بننا چاہتا ہے تو تجھے بھی اپنی وراثت کو سنبھالنا چاہئے ۔ میراثِ مسلمانی ذوالفقار حیدری ہی ہے جہاں اس تلوار نے بڑے بڑے سرکشوں کو رام کیا ، وہاں اگر وطن کے اندر کسی فتنہ نے

سر اٹھایا تو کبھی ضرورت کے وقت کبھی بھی ذو الفقار صفین اور کبھی نہروان میں چمکی۔ اسلام کو جہاں کہیں بھی مدد کی ضرورت ہوئی، دست حق پرست نے فوراً اس کی دستگیری کی۔ اقبال مسلمانوں کو تلقین کرتے ہیں کہ اگر انھیں اندرونی یا بیرونی ظالم سے واسطہ پڑے تو اسوۂ حیدری پر عمل کریں۔ ہندوستان کے مسلمانوں کو خاص طور سے مخاطب کرتے ہیں۔ کہ انگریز اور ہندو کی سیاست سے تم کیوں گھبراتے ہو۔ اگر تم میں کوئی علی کا غلام ہے تو پھر گھبرانے کی کیا ضرورت ہے۔ اگر ایسا نہیں تو پھر تم اُن کے نقش قدم پر کیوں نہیں چلتے۔ تاکہ تم اپنے مسائل کو حل کر سکو۔ ملاحظہ ہو اقبال کا پیغام۔ ؎

بڑھ کے خیبر سے ہے یہ معرکۂ دین و وطن ٭ اس زمانے میں کوئی حیدرِ کرار بھی ہے

اے مسلمانانِ ہند! تمہارا مسئلہ جو کہ تمہارے لئے خیبر سے بھی زیادہ مشکل بنا ہوا ہے اگر تم میں کوئی حضرت علی کا غلام ہے، تو پھر یہ مشکل مشکل نہیں رہے گی۔ جب تک تم غلامانِ علی میں شامل نہ ہو گے، اس وقت تک یہ واقعی تمہارے لئے باعث تکلیف ہوگا۔

دُنیا نے دیکھ لیا کہ جب علیؑ کا ایک ادنیٰ سا نحیف و نزار غلام اقوالِ علی اور آلِ علی کو اپنے لئے مشعل راہ بنا کر نکلا تو اس نے اندھیرے میں ٹھوکریں کھاتے ہوئے ہندوستانی مسلمانوں کے لئے راہنمائی کا کام کیا اور انہیں منزل مقصود پر کمال آسانی سے لے گیا۔ دنیا کو یہ یقین ہی نہ آتا تھا کہ اس میں اتنی مستقل مزاجی۔ عزم۔ یقین محکم اور عمل ہوگا کہ اتنے بڑے کام کو آسانی سے سرانجام دے دے گا۔ لیکن بھیاں را چہ بیاں۔ یہ کس طرح ہوا۔ صرف علیؑ کی غلامی کے صدقہ میں تمام مشکلیں حل ہو گئیں۔ کوئی مشکل مشکل ہی نہیں رہتی، اگر مشکلکشا کا دامن پکڑ لیا جائے۔ بقول اقبال۔

زحیدریم من و تو زما عجب نبود ٭ گر آفتاب بسوئے خاوراں بگردانیم

ڈاکٹر اقبال نے رموز بیخودی میں نیابت الٰہی کے لئے جو لوازم بیان کئے ہیں وہ سب لفظ بہ لفظ حضرت علیؑ پر صادق آتے ہیں۔ بالفاظ دیگر یہ اشعار بھی حضرت علیؑ کی مدح میں لکھے گئے ہیں اُن سے پتہ چلتا ہے کہ نائب حق کے لئے جو جو صفات درکار

ہیں، وہ حضرت علیؑ میں بدرجۂ اتم موجود ہیں۔ اسی لئے تو اقبالؔ جناب امیرؑ کے گرویدہ ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں:۔

(۱) نائبِ حق ہمچو جانِ عالم است ؎ ہستیٔ او ظلِّ اسمِ اعظم است

حق کا نائب دنیا کی جان ہے اور اس کی ذات اسمِ اعظم کا سایہ ہے۔ یعنی وہ مرکزِ پرکارِ جہاں ہوتا ہے اور دنیا کی ہر مشکل کے حل کرنے کیلئے اسکی ذات اسمِ اعظم کا کام دیتی ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ حضرت علی کی ذات ۳۰ عام الفیل سے آج تک حلّال مشکلات ہے اور ان کی اولاد تو تا قیامِ قیامت دنیا میں صاحبِ وقار ہے۔ حضرت علیؑ کی پیدائش سے قبل بھی ان کا نام اور ان کی ذات لوگوں کی مشکلکشائی کرتی رہی۔

(۲) از رموزِ جزو کل آگاہ بود ؎ در جہاں قائم بامر اللہ بود

وہ ہر نوعیت کے رموز سے آگاہ ہوتا ہے اور دنیا میں اللہ کے حکم سے قائم اور باقی رہتا ہے۔ حضرت علیؑ فرمایا کرتے تھے کہ اگر میری آنکھوں کے سامنے سے آسمانوں اور زمینوں کے پردے ہٹا دئیے جائیں تب بھی میرے علم میں رائی کے برابر فرق نہیں آئے گا۔ آپ منبرِ کوفہ سے بارہا اعلان فرما چکے ہیں۔ سلونی سلونی قبل ان تفقدونی۔ پوچھ لو۔ پوچھ لو، قبل اس کے کہ میں تمہارے درمیان نہ رہوں۔ حضرت علیؑ رسولِ اکرمؐ کے بعد ظاہری خلافت تک اور ظاہری خلافت کے زمانہ میں اللہ کے احکامات پر پوری طرح مستقل مزاجی سے قائم رہے اور انھوں نے کسی بڑے سے بڑے نقصان کی پروا کئے بغیر اعلائے کلمۃ الحق کیا۔ اور ان کے بعد قیامت تک ان کی اولاد ہی کا لقب "قائم" ہے۔

(۳) پختہ سازد فطرتِ ہر خام را ؎ از حرم بیروں کند اصنام را

اللہ کے نائب کی صفت یہ ہوتی ہے کہ وہ ہر خام فطرت کو پختہ اور پائیدار کر دیتا ہے۔ وہ بتوں کو حرم سے باہر نکال پھینکتا ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ خانۂ خدا جس پر ۳۶۰ بتوں کا قبضہ تھا، اُسے حضرت علیؑ نے ہی بتوں سے پاک کیا اور حرمِ خدا کو حرم بنایا۔ اس کی حرمت کو قائم کیا۔ اسے صحیح معنوں میں خدا کا گھر ہونے کے قابل بنایا۔

اس کے ساتھ ساتھ انھوں نے پیدائش سے شہادت تک کسی وقت کسی صورت میں بھی بتوں کے سامنے جبہ سائی نہ کی۔

(۴) نغمہ زا تارِ دل از مضراب او بہرِ حق بیداری او خواب او

اس کے مضراب سے انسانی دل کے تاروں سے نغمہ پیدا ہوتا ہے اور حق کی خاطر شب ہجرت بستر رسول پر سو جانا ان کی بیداری کی حیثیت رکھتا ہے۔ دل کے تار سے نغمے اس کے مضراب سے نکلتے ہیں۔ یعنی قدرت نے جو صلاحیتیں انسانی دل میں ودیعت کر رکھی ہیں ان کو بیدار کرنا نائب حق اور نائب رسول ہی کا کام ہے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ بعد رسول مقبول صحت سے سخت دل آدمی بھی اگر لمحہ کے لئے حضرت علی کا کلام سن لیتا تو وہ ان کا گرویدہ ہو جاتا۔ اور ان کے فرمان پر عمل کرنے کے لئے تیار ہو جاتا۔ خواہ اس کا عمل اس کے سابقہ قول و فعل کے الٹا ہی ہوتا۔

حضرت علیؑ ہر رات کو ایک ہزار رکعت نماز نوافل پڑھا کرتے تھے۔ صرف ہجرت کی رات کو سوئے اور جب اٹھے تو "مرضات اللہ" کی سند قدرت نے آپ کو عطا کی۔ گویا ان کا سونا اور جاگنا محض مرضی خدا کے لئے ہوتا تھا۔

(۵) نوعِ انساں را بشیر و ہم نذیر ہم سپاہی، ہم سپہگر، ہم امیر

وہ بنی نوع انسان کے لئے بشیر بھی ہوتا ہے اور نذیر بھی۔ وہ سپاہی بھی ہوتا ہے۔ سالار لشکر بھی اور امیر بھی۔ حضرت علیؑ کی زندگی کے حالات اور واقعات گواہ ہیں کہ بعد رسول مقبول انھوں نے کس طرح مذہب حقہ کے لئے ہر مشکل اور الجھن پر دین مبین کی امداد فرمائی اور نام نہاد خلفائے رسول کو کس طرح مشکلات سے نکالا۔ حتیٰ کہ وہ خود کہنے پر مجبور ہو گئے۔ "لولا علی لھلک عمر" اگر علیؑ نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتا حضرت علیؑ کی زندگی کے واقعات اس امر کے گواہ ہیں کہ انھوں نے ہر جنگ میں کبھی سالار لشکر کی حیثیت سے ذوالفقار حیدری کے جوہر دکھائے اور کبھی اپنی جان تک کی پروا نہ کی۔ حتیٰ کہ بعض لوگ کہہ اٹھے کہ یا علیؑ! آپ میدان جنگ میں اتنی بے جگری سے لڑتے ہیں۔ کیا آپ کو اپنی جان کی ضرورت نہیں۔ حضرت علی نے کتنا عمدہ اور قیامت

تک کے لئے قائم و دائم جواب دیا کہ ابنِ ابی طالبؑ کو اس کی پروا نہیں کہ موت اُس پر آگرے یا وہ موت پر جا گرے ۔

(۶) مدّعائے علم الاسما ستے ؛ سرِّ سبحان الّذی اسرا ستے

وہ علم الاسما کا مقصود ہیں اور سبحان الّذی اسریٰ کا راز ہیں۔ علم الاسمأ سے حضرت آدم علیہ السلام کی فرشتوں پر برتری کی جانب اشارہ ہے ۔ جس طرح حضرت آدمؑ نے اپنی علمی قوتوں کا لوہا منوا کر فرشتوں کو اپنے سامنے سربسجود کر دیا ۔ اور خلیفۃ اللہ کا مقام و مرتبہ حاصل کیا ۔ اسی طرح حضرت امیرؑ بھی علومِ الٰہیہ کے خزانہ ۔معدنِ وحی و رسالت و مہبطِ ملائکہ ہیں ۔ اور روئے زمین میں خلیفۃ اللہ ہیں ۔ سبحان الّذی اسریٰ سرکارِ رسالت کے معراج کی جانب استعارہ ہے ۔ انسانی ارتقا کی اس سے بڑھ کر اور کوئی حد نہیں ہو سکتی کہ وجوب و امکان میں بس دو کمان کی کیفیت تھی ۔ اللہ اور اس کے پیارے حبیب میں جو راز کی باتیں ہوئیں ۔ اور جو اسرارِ کائنات کھلے اُن سے جناب امیر کما حقہٗ واقف تھے ۔ ان کی لہجہ میں گفتگو ہوئی ۔ اِن کے سامنے سے تمام حجابات ہٹا دئیے گئے ۔ اور انھوں نے ملکوت کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ۔

(۷) از عصا دستِ سفیدش محکم است ؛ قدرتِ کامل بعلمش توام است

اس کا ہاتھ عصا سے مضبوط ہوتا ہے اور اس کی کامل طاقت اس کے علم سے منسلک ہوتی ہے ۔ حضرت علیؑ ہی ایک ایسی ہستی ہیں کہ جن کو اللہ تعالےٰ نے آسمان سے تلوار بھیجی جس پر لافتیٰ الا علی لا سیف الا ذوالفقار کا سرٹیفکیٹ تھا ۔ حضرت علیؑ نے قوت کو کبھی ذاتی سہولت و آرام یا جذبۂ انتقام کے لئے استعمال نہ کیا ۔ بلکہ ہمیشہ اپنی طاقت کو تابعِ فرمانِ الٰہی رکھا ۔ جنگِ خندق میں حضرت علیؑ کے ساتھ عمرو ابن عبدود کی گستاخی اور حضرت علیؑ کا اس کی چھاتی پر سے اُتر آنا ۔ عمرو کا حضرت علیؑ سے سوال اور حضرت کا حیرت زا جواب یہ ثابت کرنے کے لئے کافی ہے کہ آپ ہمیشہ ہر حالت میں دین کی خدمت کے لئے ہی تلوار اٹھاتے تھے ۔ آپ کا حق الوسع جہاد باللسان پر عمل پیرا ہونا یہ ظاہر کرتا ہے کہ اس شعر کا تمام تر اطلاق جناب امیرؑ کی زندگی سے ہے ۔ اِن کے سوا کوئی ایسا

انسان تاریخ نہیں پیش کر سکتی، جو ان صفات کا حامل ہو۔

(۸) جلوہ ہا خیزد ز نقش پائے او ؛ صد کلیم آوارہ سینائے او

اس کے پاؤں کے نشان سے جلوے ظاہر ہوتے ہیں اور اس کی وادی سینا میں کئی کلیم آوارہ پھرتے ہیں۔ سرگرداں اور حیران ہیں۔ نقش پا سے مراد تعلیم و ہدایت ہے۔ مقصد یہ ہے کہ آپ کی تعلیم اور ہدایت سے بیشمار جلوے ظاہر ہوتے ہیں۔ اور اس مقصد کے حصول کے لئے سینکڑوں خاصان خدا آپ کے سینائے ہدایت تک پہنچنے کی سعی کرتے ہیں۔

اقبال جہاں فلسفے کے ماہر اور اچھے مورخ ہیں وہاں وہ بہترین قادر الکلام بھی ہیں۔ انھیں بات کے سمجھانے کا بڑا اچھا ڈھنگ آتا ہے۔ وہ اپنے ممدوح کی شان اس انداز میں پیش کرتے ہیں کہ سامع خواہ کتنا بھی ان کے ممدوح کے خلاف ہو اس کی عظمت اور بزرگی مانے بن اسے چارہ نہیں۔ پھر جبکہ ان کے ممدوحین ایسی ہستیاں ہیں، جن کی شان بیان کرتے ہوئے ان کے بدترین دشمن بھی نہیں تھکتے۔ بھلا ایسے رہنماؤں اور آئمہ کی شان میں اقبال اپنی قادر الکلامی کو پیش کرنے میں کیسے پیچھے رہتے۔ اقبال تو اس مسلک کے پیروکار ہیں کہ اگر کسی کو راہبر بنانا ہے تو وہ جلا دینے والا راہنما نہ ہو بلکہ اس میں ایسی عظمت ہو کہ اگر مٹی پر بیٹھ جائے تو ابوتراب بن جائے۔ وہ ید اللہ ہو، عین اللہ ہو، وجہ اللہ ہو۔ اس کے عمل کو خدا اپنا عمل کہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔ ؎

خاک گشتن مذہب پروانگی است ؛ خاک را آب شو کہ ایں مردانگی است

مندرجہ بالا آٹھ اشعار میں بھی اقبال اپنے مخصوص انداز میں جناب امیرؑ کی صفت گن گن کر پیش کرتے ہیں اور مسلمانوں کو سبق دیتے ہیں کہ کسی ایسی ہستی کو اپنا رہنما بنائیں، جو کہ دنیا میں اللہ کا نائب ہو۔ کیونکہ اس کی صفات کے صدقے انسان ہر کام میں کامیاب و کامران رہتا ہے۔ جس طرح ایک اسم اعظم کا عامل کامران رہتا ہے۔ وہ ہستی دنیا کی ہر چھوٹی و بڑی شے کی اصلیت و ماہیت سے آگاہ ہوتی ہے اور وہ

دنیا میں اللہ کے حکم سے دائم و قائم رہتی ہے۔ وہ ہستی ایسی پارس ہوتی ہے کہ ہر خام شے کو کندن بنا دیتی ہے۔ جس طرح سے کہ اُس نے خانہ خدا کو بتوں سے پاک کر کے ایسی عظمت عطا کی کہ تمام دنیا کو اس کی طرف جھکا دیا۔ وہ شب بیدار ہستی ہمیشہ عبادتِ الٰہی میں مصروف رہتی ہے۔ لیکن اگر وہ اپنی پوری زندگی میں ایک شب کے لئے سو بھی جائے تو اُس کا سونا رضائے الٰہی خریدنے کے لئے ہوتا ہے۔ گویا اس کا ہر فعل و عمل دین کا رکن ہوتا ہے۔ وہ ایسی عظیم اور حق پرست ہستی ہوتی ہے کہ حق اس کے ساتھ ساتھ رہتا ہے۔ بمطابق حدیث رسول " **الحق مع علی و علی مع الحق** " وہ انسان کی رہنمائی بھی کرتی ہے اور اس کو ڈراتی بھی ہے وہ ایسی جامع و مانع شخصیت ہوتی ہے کہ اگر اسے کبھی تلوار اٹھانی پڑے تو اکیلا بندۂ خدا ایک پوری فوج کا کام کرتا ہے۔ اُس کے مقابلہ میں خواہ ہزاروں کی طاقت کا انسان بھی کیوں نہ آجائے۔ خواہ لاکھوں کا گروہ ہو، وہ فردِ واحد خود ہی سپاہی خود ہی سپہ سالار اور خود ہی امیر و حکمران ہوتا ہے۔ وہ صرف مردِ میدان ہی نہیں ہوتا بلکہ ایسا عالم باعمل بھی ہوتا ہے کہ جب وہ اپنے علم کا اظہار کرے تو صرف بسم اللہ کی "با" کی تفسیر ستر اونٹوں کا بار کر دے اور وہ ببانگ دہل سلونی .... کا دعویٰ کر سکے۔ صرف جاہلوں کے مجمع میں ہی نہیں بلکہ اُن لوگوں کے سامنے مشکل سے مشکل عقدے چشم زدن میں حل کر دے۔ جو اپنے آپ کو آسمانی کتابوں کے عالم سمجھتے ہوں، اُس کے سامنے دنیا کے بڑے بڑے علماء اور حکمران **لولا علی** ..... کہنے پر مجبور رہوں۔ وہ جب بھی قدم اُٹھائے اور جب بھی رطب اللسان ہو تو سینکڑوں کلیم اللہ اس کی آواز سے مسحور ہو جائیں اُسکے راہوار کے قدم سے پیدا ہونے والی چنگاری کی خدا وند عالم قرآن مجید میں قسمیں کھائے۔ (والعٰدیٰت)

اگر ان اشعار کا بغور مطالعہ کیا جائے اور بغض و عناد کی عینک اتار دی جائے تو صاف ظاہر ہے کہ ان صفات کے حامل صرف اور صرف جناب امیر علیہ السلام ہیں۔ جو کہ حقیقی راہنما اور بعد رسولؐ امت کے لئے سچے امام ہیں اور جن کی راہنمائی کے بغیر

انسانیت کبھی سکون و اطمینان حاصل نہیں کرسکتی۔ جہاں جناب امیرؑ کل ایمان ہیں وہاں انھوں نے جاں نثاری اور جہانبانی کے لئے بھی اصول اور طرق بتائے ہیں۔ جنھیں اپنا کر انسان اس سائنسی دور میں بھی کامیاب اور کامران ہوسکتا ہے۔ کیوں نہ ہو۔ جب جناب علیؑ خود سائنس کے موجد ہیں۔ اور انھیں کے ایک غلام جابر بن حیان اور دوسرے نوکر ابن الہیثم نے دنیا کو سائنس کے اصول و قوانین سے آگاہ کیا۔ تو پھر یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ قیامت تک کے حالات اور واقعات کا انھوں نے بندوبست نہ کردیا ہو۔ انھوں نے یقیناً ہر خشک و تر کے حالات کی تفسیر کردی۔ بشرطیکہ کوئی چشم بینا اس کو سمجھ سکے۔ جب صامت قرآن ہر خشک و تر کا حامل ہوسکتا ہے تو لابدی ہے کہ ناطق قرآن اس کی تفسیر و تشریح کرسکے۔ جناب امیرؑ کا ہر فعل اور عمل حکمت ربانیہ کا شارح اور مفسّر ہے۔ اسی لئے تو اقبال نے بھی یہ کہنے میں کوئی جھجک محسوس نہ کی بلکہ برملا کہہ دیا۔ ؎

مرے لئے ہے فقط زورِ حیدریؑ کافی ، ترا نصیب فلاطوں کی تیزیِ ادراک

کیوں نہ ہو جبکہ زورِ حیدری میں فلاطوں کے ادراک سے بھی زیادہ ثوت ہے یہ زورِ حیدریؑ دلی اطمینان کے لئے سب سے زیادہ اکسیر نسخہ ہے۔ اور عاقبت میں بخشش کے لئے اگر کوئی چیز ذریعہ نجات ہوسکتی ہے تو وہ ظلّ دامنِ حیدرؑ کے سوا کچھ نہیں۔ جب تک ساقیِ کوثر شفاعت نہ فرمائیں اس وقت تک نجات ممکن نہیں اسی لئے تو حضرت ابوبکر نے بھی روایت کی ہے کہ پل صراط سے کوئی بھی ساقیِ کوثر کی اجازت کے بغیر نہیں گذر سکے گا۔ جب تک اس کے ہاتھ میں حضرت علیؑ کے ہاتھ کا لکھا ہوا اجازت نامہ نہ ہوگا۔ خواہ وہ عامی ہو یا نبی ، ولی ، وصی ، شاہ ہو کہ گدا اور عورت ہو یا مرد۔ کوئی بھی ہو۔

علامہ اپنی نجات کے متعلق فرماتے ہیں کہ میری نجات کیوں نہ ہوگی اور محشر کے غم میں کیسے مبتلا رہ سکتے ہیں۔ جبکہ میں لختِ دل زہراؑ کا واسطہ دوں گا۔ اور جب میں تمام عمر شہیدِ کربلا کے غم میں رونے والا ہوں۔ جب میں حسینؑ کا ساتھی ہوں تو

پھر ساقی کوثر مجھے نجات کیوں نہ دلوائیں گے۔ کیونکہ غم حسینؑ ایک ایسا گر ہے کہ اس سے ضرور نجات ہو جاتی ہے۔ اگرچہ میں بے عمل ہوں اور میرے پاس اعمال کا کوئی تحفہ نہیں جو میں اپنی بخشش کے لئے پیش کر سکوں گا۔ لیکن اہلبیتؑ اور ان کا غم ایک ایسا داغ اور تحفہ ہے کہ اسے لیکر جب میں میدانِ حشر میں جاؤں گا، تو ظلِ دامنِ حیدرؑ خود میرے گناہوں کو ڈھانپنے کے لئے میری تلاش میں ہوگا۔ لیجئے علامہ کے اشعار پڑھئے جو کہ باقیاتِ اقبال میں ہیں:-

واسطہ دوں گا اگر لختِ دلِ زہراؑ کا میں ؛ غم میں کیونکر چھوڑ دیں گے شافعِ محشر مجھے
رونے والا ہوں شہیدِ کربلا کے غم میں میں ؛ کیا دُرِ مقصد نہ دیں گے ساقیِ کوثر مجھے
دل میں ہے مجھ بے عمل کے داغِ عشقِ اہلبیتؑ ؛ ڈھونڈتا پھرتا ہے ظلِ دامنِ حیدرؑ مجھے

یہ اشعار بھی ظاہر کرتے ہیں کہ علامہ کا اس پہ پورا پورا عقیدہ تھا کہ قیامت کے دن سزا و جزا کا تمام تر انتظام صرف اور صرف جناب علیؑ مرتضیٰ کے ہاتھ میں ہوگا۔ کسی فردِ بشر کی بخشش اس وقت تک نہ ہوگی، جب تک حضرت امیرؑ اس کی شفاعت نہ کریں گے۔ اور جب تک وہ اسے جنت میں جانے کا وثیقہ عطا کریں گے۔ جناب امیرؑ اس وقت تک کسی کو جنت کی راہداری نہ دیں گے، جب تک کہ وہ دل میں آلِ محمدؐ کا غم نہ رکھتا ہوگا۔ علامہ کا یہ بھی ایمان ہے کہ انسان خواہ کتنا بھی بے عمل ہو۔ لیکن اگر اس کے دل میں آلِ محمدؐ خصوصاً نواسۂ رسولؐ، دلبندِ رسولؐ، علیؑ و بتولؑ نوابِ کربلا کا غم ہو، تو پھر اس کی بخشش یقینی ہوگی۔ اور خود ساقیِ کوثر اور شافعِ محشر یعنی علیؑ ایسے آدمی کی تلاش میں ہوں گے تاکہ اس کی نجات کرا کر اسے داخلِ جنت کریں۔ اور اسے ان کے لختِ جگر کے غم کا اجر عطا کریں۔

اقبال ہندوستان کے مسلمان کی کس مپرسی اور اس کے در در بھیک مانگتے پھرنے پر انھیں نصیحت کرتے ہیں۔ کہ چونکہ اے ہندی مسلمان! تو حیدرِ کرار کو "رہبرِ کامل" نہیں مانتا، اس لئے تو گوہرِ مراد کو نہیں پا سکتا۔ تو آزادی کی نعمت اس وقت حاصل کریگا جب تو حیدرِ کرار کے دروازہ پر صحیح نیت سے جھک جائے گا۔ ورنہ تیری حالت اس

رولنگ سٹون (ROLLNG STONE) کی سی ہوگی جو کسی جگہ پر نہیں پہنچ سکتا۔

مسلم ہندی چرا میداں گذاشت ؎ ہمّت او بوئے کراری نداشت

ہم دیکھتے ہیں کہ جب ایک علیؓ کے غلام محمد علیؒ نے کراری ہمت پائی تو اس نے ہند کے مسلمانوں کو چند دنوں میں اُن کا مقام دلوادیا۔ اگرچہ خود ہندوستان کے مسلمان اس کی کوشش کو سعی لاحاصل سمجھ رہے تھے۔ لیکن جب یہی کوشش اسوۂ علیؓ کو مدنظر رکھ کر کی گئی تو چند دنوں میں بامراد ہوگئی۔

اقبالؔ ہندوستان کے مسلمانوں کو ابتدائی زمانے کے مسلمان بادشاہوں کے طرزِ حکومت کو مثالی طرزِ جہانبانی بتلاتے ہوئے نہیں تھکتے اور جس کو دوسری اقوام کے سامنے فخر سے پیش کرتے ہیں۔ ساتھ ہی چند ایک بعد میں پیدا ہونے والے اُن نقائص کی نشاندہی کرتے ہیں جس کی وجہ سے جلد ہی اموی اور عباسی حکومتیں لرزہ براندام ہوگئیں۔ جب تک جابر حکمران حکومت پر متمکن رہے اس وقت تک انھوں نے ڈنڈے کے زور سے کاروبارِ حکومت چلائے رکھا۔ جب ڈنڈے کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی تو یہ حکومتیں مٹ گئیں۔ یہ محض اس لئے ہوا کہ مسلمانوں نے بعد از رسولِ مقبولؐ حقدار لوگوں سے خلافت چھین کر اُن لوگوں کے ہاتھ میں دے دی، جو کہ اسلامی طرز ہائے جہانبانی سے ناواقف تھے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:۔ ؎

عرب خود را بنورِ مصطفےٰ سوخت ؎ چراغِ مردۂ مشرق برافروخت

ولاکن آں خلافت راہ گم کرد ؎ کہ اوّل مومناں را شاہی آموخت

عرب نے اپنے آپ کو نورِ مصطفےٰ سے منوّر کیا تو مشرق کے بجھے ہوئے چراغ کو روشن کردیا۔ لیکن اس خلافت نے راستہ کھودیا کہ جس نے مومنوں کو حقیقی بادشاہی سکھائی تھی۔

اقبالؔ مسلمانوں کو جاوید نامہ میں ایک جگہ حقیقی بادشاہ کا پتہ بتاتے ہیں اور اُن کو سمجھاتے ہیں کہ ہر کوئی طاقتور خراج دئیے جانے کا مستحق نہیں بلکہ ان چیزوں کا حقدار صرف اولی الامر ہے جو کہ دنیا میں نائب خدا اور خلیفہ ہوتا ہے۔ ؎

فاش گویم با تواے والا مقام ؛ باج را جز با دو کس دادن حرام
یا اولی الامرے کہ منکم شان اوست ؛ آیۂ حق حجت و برہان اوست

خراج دو آدمیوں کے سوا کسی شخص کو نہ دینا چاہیئے - ان میں پہلا اولی الامر ہے جسکی حجت و برہان کلام اللہ میں ہے - علامہ زمانہ کے کشور کشاؤں کو ہدایت کرتے ہیں کہ اگر وہ جہان پر حکمران رہنا چاہتے ہیں تو ان کے لئے ضروری ہے کہ اُن میں کرّاری صفت موجود ہو۔ کیونکہ اس کے بغیر وہ زمانہ پر حکمرانی نہیں کر سکتے - جب تک حکمران خود دار نہ ہو اور عوام کا محسن نہ ہو اس وقت تک وہ کامیاب و کامران حکمران نہ ہوگا۔ ؎

مرد کشور گیر از کرّاری است ؛ گوہرش را آبرو از خود داری است

مسلمان خواہ جس وقت میں بھی ہو، خواہ وہ فقر و فاقہ کی زندگی گزار رہا ہو۔ لیکن اگر اس میں حضرت علیؑ کے اُسوہ پر چلنے کی سکت ہو تو وہ خیبر جیسے قلعہ کفر کو بھی توڑ سکتا ہے اور آج بھی وہ اپنے نخچیر میں زمانہ کے بادشاہوں اور سلطانوں کو باندھ سکتا ہے۔ بشرطیکہ اس میں جناب امیر جیسا فقر ہو۔ ذرا درج ذیل اشعار کو ملاحظہ فرمائیں :- ؎

فقر خیبر گیر با نان شعیر ؛ بستہ فتراک او سلطان و میر
گلستانے ز خاک من برانگیز ؛ نم چشمم بخون لالہ آمیز
اگر شایان نیم تیغ علیؑ را ؛ نگاہے دہ چو شمشیر علیؑ تیز

اقبال مسلمانوں کو مخاطب کر کے انھیں اسوۂ جناب امیر پر عمل پیرا ہونے کی ہدایت کرتے ہیں اور انھیں آگاہ کرتے ہیں کہ جب تک مسلمان جناب امیر علیہ السلام کے دروازے پر نہیں جھکیں گے، اس وقت تک وہ اپنے اصلی مقام کو حاصل نہ کر سکیں گے - اپنے متعلق بتاتے ہیں کہ میں نے جو کچھ پایا وہ علیؑ کے دروازہ سے پایا - اقبال اپنے افکار اور خیالات کو عطیۂ باب العلوم خیال کرتے ہیں - ؎

یہ ہے اقبال فیض یاد نام مرتضیٰ جس سے
نگاہ فکر میں خلوت سرائے لامکاں تک ہے

یعنی اقبال کو جو کچھ ملا وہ علیؑ کا نام جپنے کے صدقہ میں ہی ملا - یہی وجہ ہے کہ میں لامکاں تک

کے متعلق سوچتا ہوں کہ لامکاں کیا ہے۔ اقبالؔ کے نزدیک انسان جناب امیرؑ کے ذکر سے ہی علم کی باریکیوں کو سمجھ سکتا ہے۔ اقبالؔ مسلمانوں کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں کہ اے مسلمان اگر تجھ میں حضرت علیؑ کی طرح یقین کامل ہو تو پھر حیدرِ کرار کا سا مرتبہ پا سکتا ہے۔ لیکن اگر یقین مُردہ ہو تو پھر پتھر تجھ سے بہتر ہے۔ ؎

ہے یقینِ مُردہ تو ہے سنگ بھی تجھ سے بہتر ؛ ہو یقین زندہ تو پھر حیدرِ کرار ہے تو

اقبالؔ اپنی اصلیت واضح کرتے ہیں کہ باوجود ایک ہندوستانی ہونے کے انھیں اتنی عزت و توقیر کیوں نصیب ہے۔ یہ محض غلامیٔ حیدرِ کرار کا صدقہ ہے اور نامِ علیؑ کے وِرد کا نتیجہ ہے۔ ؎

تری شکست ہی منظور تھی اسے آدل ۔ بنا دیا تجھے نازک تر آبگینے سے
جہاں سے ملتی تھی اقبالؔ روحِ قنبر کی ۔ مجھے بھی ملتی ہے روزی اسی خزینے سے
ہمیشہ ورد زباں ہے علی کا نام اقبالؔ ۔ کہ پیاس روح کی بجھتی ہے اس نگینے سے

کتنے سہل و سادہ الفاظ میں دل کی بات صاف صاف کہہ کر اپنا ایمان واضح کر دیا کہ اس کا روزی رساں کون ہے اور اس کی روح کی پیاس کس نگینہؑ سے بجھتی ہے۔ اقبالؔ جہاں جناب علیؑ مرتضیٰ کو قسیم النار والجنۃ مانتے ہیں، وہاں ان کا یہ بھی ایمان ہے کہ دنیا میں رزق تقسیم کرنے والے بھی حضرت علیؑ ہی ہیں۔ آقائے قنبر ہی کے پاس وہ خزینہ ہے جس سے اقبالؔ کو روزی ملتی ہے۔ اور اقبالؔ کی روح کو اگر تسکین ملتی ہے تو علیؑ علیؑ کرنے سے۔

جناب محمد مصطفےٰ صلعم کی حدیث ہے کہ نامِ علیؑ لینا عبادت ہے۔ اور پھر مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ عبادت سے روح شاد ہوتی ہے اور دل آسودگی پاتا ہے۔ اقبالؔ بھی اس پر ایمان رکھتے ہیں اور علیؑ کے نام کو جپنا عبادت اور نشاطِ روح سمجھتے ہیں۔ جب اقبالؔ جیسے مفکر کو سوائے علیؑ کے جائے پناہ نہیں ملتی تو پھر جاہل لوگ جو علیؑ کا نام لینے سے گریز کرتے ہیں، انھیں اپنی عقل کا ماتم کرنا چاہیے۔ اس لئے فرماتے ہیں :۔ ؎

خدا نے اُس کو دیا ہے شکوہِ سلطانی ؛ کہ اُس کے فقر میں ہے حیدری و کراری

بارِ دگر فرماتے ہیں کہ اے مسلمانو! ؎

حیدری فقر ہے، نے دولت عثمانی ہے ٭ تم کو اسلاف سے کیا نسبت روحانی ہے

زمانے کے حالات تو حسب سابق ہیں۔ ؎

نہ ستیزہ گاہِ جہاں نئی نہ حریفِ پنجہ فگن نئے
وہی فطرتِ اسد اللہی، وہی مرحبی وہی عنتری

بلکہ زمانہ تو۔ ؎

گہے باحق در آمیزد، گہے باحق در آویزد
زمانے حیدری کردہ، زمانے خیبری کردہ

اقبال کہتے ہیں کہ مجھے اصحاب ثلاثہ کے ساتھ بغض نہیں بلکہ مجھے خارجیوں پر غصہ آتا ہے کہ وہ شانِ علیؓ میں گستاخی کس وجہ سے کرتے ہیں۔ چونکہ اقبال کا مسلک اسلام میں نرشتہ پرستی سے اجتناب تھا۔ اس لئے فرماتے ہیں۔ ؎

بغض اصحاب ثلاثہ سے نہیں اقبال کو ٭ دِق مگر اک خارجی سے آ کر مولائی ہوا

یعنی مجھے اصحاب ثلاثہ (ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ) سے بغض نہیں ہے۔ لیکن میں تو خارجی سے تنگ آ کر مولائی بنا ہوں (مخزن اکتوبر ۱۹۰۵ء)۔ جب علیؓ کے مرتبے کو اتنا گھٹایا جا رہا ہے اور علیؓ کی شان میں ایسی ایسی گستاخیاں کی جا رہی ہیں، جیسی کہ خارجی کرتے ہیں، تو پھر لازمی طور پر مجھے حق پرستی کا دامن پکڑنا چاہئے۔ حضرت علیؓ خود فرماتے ہیں کہ افسوس لوگوں نے مجھے اتنا گھٹایا کہ فلاں فلاں کے مقابلے میں لے آئے۔

اقبال جب انگلستان روانہ ہوئے تو نظام الدین اولیا کے مزار پر پہنچے۔ ان کے حضور نذرانۂ عقیدت بعنوان "برگ گل" پیش کیا۔ اس میں کہتے ہیں۔ ؎

سینہ پاک علیؓ جن کا امانت دار تھا ٭ اے شہ ذیجاہ! تو واقف ہے ان اسرار سے

یعنی اے شہ ذیجاہ! آپ ان اسرار سے واقف ہیں، جن کا امین جناب امیرؑ کا سینہ تھا ان کے علم کے آپ خوشہ چین ہیں۔ اس لئے آپ کو ہند کے مشائخ میں نہایت بلند مرتبہ ملا۔ نظام الدین خود فرماتے ہیں۔ ؎

نظام الدین حیا دارد کہ گوید بندۂ شاہ رم ٭ ولیکن قنبرِ در المدینہ بابِ گدا باشد

حضرت بلال حبشی تھے لیکن سرورِ کونین کے حضور اکرم ان کو وہ بلند مرتبہ ملا کہ ان کے اذان دینے پر صحابہ کے اعتراض کے باوجود محض بلالؓ کی خوشنودی کی خاطر سورج نے اپنا طلوع ملتوی کر دیا۔ اور جب تک بلالؓ گلدستۂ اذان پر نہ آئے سپیدۂ صبح ظاہر نہ ہوا۔ گویا قدرت بلال کی ناراضگی کو اپنی ناراضگی ظاہر کر رہی تھی۔ اقبال بلال سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ چونکہ آپ نے جناب امیرؑ سے رازِ نبوت پایا تھا۔ اس لئے آپ کا نصیب اتنا چمکا کہ اللہ تعالیٰ بھی آپ کی نازبرداریاں کر رہا ہے۔ ے

ترے نصیب کا آخر چمک گیا اختر ؎ علیؑ کے سینہ میں جو راز تھا کھلا تجھ پر

بلالؓ جناب امیرؑ کی برابری کے دعویدار نہ تھے بلکہ غلامی کا دعویٰ کرتے تھے۔ جب بلالؓ کا مرتبہ یہ ہے کہ اس کی وجہ سے خداوند عالم نظامِ عالم کو بدل دیتا ہے۔ تو جناب امیرؑ کی شان کتنی ارفع و اعلیٰ ہوگی۔ اسی لئے تو اقبال فرماتے ہیں۔ ع

نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

اقبال لوگوں کو ہدایت کرتے ہیں کہ اخلاص عمل حضرت علیؑ سے سیکھیں۔ کیونکہ حضرت علیؑ ہی ایک ایسی ہستی ہیں کہ ان سے بہتر طریقہ عمل کوئی نہیں بتا سکتا۔ چنانچہ فرماتے ہیں :۔

ز علیؑ آموز اخلاصِ عمل ؎ شیرِ حق را داں منزہ از دغل

اخلاص عمل حضرت علیؑ سے سیکھو۔ اور خدا کے شیر کو گناہوں سے پاک جان۔ ہر مسلمان کو شیعہ علیؑ بننے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ اور اپنے اعمال کو حضرت علیؑ کے کردار پر ڈھالنا چاہیئے۔ ے

من آں علم و فراست با پر کاہے نمی گیرم ؎ کہ از تیغ و سپر بیگانہ سازد مردِ غازی را
بہر نرخے کہ ایں کالا بگیری سود مند افتد ؎ بزورِ بازوئے حیدرؑ بدہ ادراکِ رازی را

اقبال اس علم و حکمت اور فلسفہ کو بے فائدہ خیال کرتے ہیں۔ جو جنگجو اور بہادر مسلمانوں کو تیر و تفنگ کے صحیح استعمال سے غافل کر کے انہیں عاجز و کمزور کر دے اقبال فلسفۂ رازی کو حضرت علی علیہ السلام کی پیروی میں قوت و طاقت کے استعمال پر قربان کر دینا چاہتے ہیں۔ حقیقت ہے کہ حضرت علیؑ مرتضیٰ کا اتباع ایک ایسا گراں

سرمایہ ہے جس کے ہوتے ہوئے کسی اور فلسفہ کی ضرورت اور حاجت نہیں رہتی۔ کیونکہ ؎ قوی بازوئے او مانند حیدر ؛ دل او از دو گیتی بے نیاز ے

اقبال رسول مقبول سے مسلمانوں کے لئے دعا مانگتے ہوئے عرض کرتے ہیں کہ یا رسول اللہ مسلمان جوانوں کے بازوؤں کو حضرت علی مرتضیٰ جیسی قوت وطاقت عطا ہو۔ اور ان کے دل دنیا کے خس وخاشاک سے پاک ہوں۔ وہ ہر کام لوجہ اللہ کریں تاکہ مسلمان رضائے الٰہی کرکے دنیا و آخرت میں کامیاب و بامراد ہوں۔

اقبال حضرت علی علیہ السلام کے غلام کو بڑا طاقتور خیال کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک حضرت علیؑ کے غلام میں بھی خود حضرت کی طرح یا کم از کم دوسرے لوگوں سے زیادہ طاقت وقوت ہونی چاہیئے۔ اس کے دست و بازو کے سامنے۔ ؎

پیش او نہ آسمان نخچیر است ؛ ضربت او از مقام حیدر است

اس کے سامنے نو آسمان نخچیر ہیں اور وہ ان ہی حضرت علی علیہ السلام کی طرح فتح کرلیتا ہے یعنی جس طرح حضرت نے بڑی آسانی سے خیبر کو تسخیر کر لیا۔ اسی طرح ان کا غلام نو آسمانوں کو فتح کر لیتا ہے۔ اقبال حضرت علی علیہ السلام کو طاقت اور توانائی کا سرچشمہ خیال کرتے ہیں۔ اسی لئے ان کے غلام کو بھی طاقتور اور قوی تصور کرتے ہیں۔ اسی لئے تو فرماتے ہیں کہ

خدا نے اس کو دیا ہے شکوہ سلطانی ؛ کہ اس کے فقر میں ہے حیدری و کراری

اقبال حضرت علی مرتضیٰ کو علم وطاقت کا منبع سمجھتے ہیں۔ لہٰذا آپ کی غلامی میں خوش ہیں۔ وہ اپنے علم اور عزت وتوقیر کو حضرت علی علیہ السلام کی غلامی کا صدقہ خیال کرتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں:۔ ؎

فیض اقبال ہے اسی در کا ؛ بندہ شاہ لافتیٰ ہوں میں

لافتیٰ الا علی کا خطاب حضرت علی علیہ السلام کے لئے جنگ احد میں ہاتف غیبی سے سنا گیا۔ اقبال اپنے آپ کو لافتیٰ کا غلام خیال کرتے ہیں اور ان کا یہ خیال ہے کہ چونکہ وہ حضرت علی جن کا لقب لافتیٰ ہے کے غلام ہیں، اسی لئے انھیں دنیا میں اتنی عزت و

توقیر حاصل ہوئی ہے۔ ورنہ اقبال خود اپنے آپ سے بھی آگاہ نہ تھے کہ وہ کیا ہیں۔

اقبال بھی اقبال سے آگاہ نہیں ہے
کچھ اس میں تمسخر نہیں، واللہ نہیں ہے

لیکن حضرت علی کی غلامی کے صدقہ میں انھیں جو عزت ملی کہ اقبال صرف مسلمانوں ہی کا نہیں بلکہ بنی نوع انسان کا ترجمان تصور کیا جانے لگا۔

جناب سرورِ کائنات کی مشہور حدیث ہے۔ حضرت رسولِ اکرم حضرت علی مرتضیٰ کو مخاطب کر کے کہتے ہیں کہ اے علیؑ! تیرا خون میرا خون ہے۔ تیرا گوشت میرا گوشت ہے۔ جو تجھ کو دوست رکھتا ہے وہ مجھے دوست رکھتا ہے۔ جو تجھ سے دشمنی کرتا ہے وہ مجھ سے دشمنی کرتا ہے۔ جب اقبال نے لوگوں کے حضرت علیؑ کی ذات پر حملے سنے اور وہ حضرت علیؑ کو اپنی کم فہمی اور جہالت کی وجہ سے خاطی تصور کرنے لگے تو اقبال کو بڑا غصہ آیا اور فرمانے لگے یا رسول اللہ! جو لوگ حضرت علیؑ پر اعتراض کرتے ہیں، ان کے اعتراض علیؑ پر نہیں بلکہ آپ پر اعتراض ہیں۔ کیونکہ آپ نے جس وقت حضرت علیؑ کا گوشت اپنا گوشت، حضرت علیؑ کا خون اپنا خون، ان کے ساتھ دشمنی آپ کے ساتھ دشمنی اور ان کے ساتھ دوستی آپ کے ساتھ دوستی کرنا فرمایا ہے تو پھر جو لوگ حضرت علی علیہ السلام کے ساتھ بغض و عناد رکھتے ہیں وہ لوگ آپ کے ساتھ بغض و عناد رکھتے ہیں اور رسولؐ کے ساتھ دشمنی گویا خدا کے ساتھ دشمنی ہے اور خدا کا دشمن جہنمی ہے۔ یہ شعر ملاحظہ فرمائیں ؎

مقصد کُھلا ہے یہ کہ کُھلی ان کی زباں تو
یہ لوگ دراصل سے تجھ کو بھی بُرا کہتے ہیں

اقبال کے مندرجہ بالا صفحات میں جو اشعار پیش کئے گئے ہیں ان سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اقبال حضرت علی علیہ السلام کے ساتھ کس قسم کی عقیدت رکھتے تھے۔ ان کا حضرت علیؑ سے والہانہ عشق یہ ثابت کرتا ہے کہ بعد از رسولِ مقبول حضرت علیؑ کو ہر کسی سے افضل خیال کرتے تھے۔ صرف خیال ہی نہیں کرتے تھے بلکہ اس پر ایمان اور ایمان کامل رکھتے تھے۔ یہ اشعار ظاہر کرتے ہیں کہ اقبال اپنی اور مسلمانوں کی نجات صرف اور صرف اسی میں سمجھتے ہیں کہ وہ حضرت علی علیہ السلام کے غلام ہو جائیں۔ ایسے ہی غلام جیسے قنبرؓ، مقدادؓ، ابوذرؓ اور سلمانؓ تھے۔

اقبال مسلمانوں کے انتشار اور ان کی کسمپرسی کی محض ایک ہی وجہ سمجھتے تھے، کہ مسلمانوں نے حضرت علی علیہ السلام کا دروازہ چھوڑ دیا۔ اُنھوں نے اس کے مقابلے میں جو دروازے اپنے لئے ملجا و ماویٰ سمجھے چونکہ وہ مختلف تھے۔ اُن میں یگانگت و ہم آہنگی نہ تھی۔ اور ان کے پاس صحیح اسلامی اصولوں پر عمل پیرا ہونے کے لئے طریقے نہ تھے، اِس لئے مسلمان انتشار کا شکار ہو گئے۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ ہر سو پراگندہ ہو گئے۔ اِن میں باہمی نفاق، بغض، کم ہمتی جیسی لعنتیں پیدا ہو گئیں۔

اقبال اب بھی مایوس نہیں۔ وہ مسلمانوں کو ہدایت کرتے ہیں کہ اگر مسلمان اب بھی حضرت علیؑ کے در فیض پر جھک جائیں تو وہ اب بھی اپنا مقام حاصل کر سکتے ہیں۔ اِسی لئے تو دعا گو ہیں :۔

کرم کرم کہ غریب الدیار ہے اقبال ۔ مریدِ پیرِ نجف ہے، غلام ہے تیرا

جناب سیدہ فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کے حضور

اسلام میں جناب فاطمہ سلام اللہ علیہا دختر رسول مقبولؐ زوجہ جناب علیؑ مرتضیٰ اور مادرِ گرامی جناب حسنینؑ شریفین کو جو عظمت و اوج حاصل ہے اس کا زنانِ عالم میں سے کوئی ایک بھی برابری کا دعویٰ نہیں کر سکتی۔ سیدہ زہرا جہاں خاتم النبیینؐ کی اکلوتی بیٹی تھیں وہاں انھوں نے طبقۂ نسواں کے لئے پیغمبری کا کام کیا۔ اسی لئے تو رسول مقبولؐ نے فرمایا تھا کہ " الفاطمۃ بضعۃ منی " فاطمہ میرا ٹکڑا ہے۔ گویا فاطمہ ان تمام صفات کی حامل ہیں جو کہ رسول اللہ میں پائی جاتی ہیں۔ اگر اس سے بڑھ کر یہ کہہ دوں کہ ایک زوایہ میں تو جناب سیدہ کا مرتبہ رسول اللہ سے بھی بلند ہے تو بیجا نہ ہوگا، یقیناً رسول کو ایسا تاب

نہ ملا جیسا جناب فاطمہ کا تھا اور یقیناً رسول مقبول کو ایسے بیٹے نہ ملے جیسے جناب فاطمہ کو جو کہ جوانان جنت کے سردار اور رسول کی آنکھوں کے نور تھے۔ جناب زہرا کے پدر بزرگوار خاتم النبیین، رحمۃ للعالمین، باعث ایجاد کون و مکاں، زمین و آسمان۔ ان کے شوہر امام المتقین، امیر المومنین۔ یعسوب الدین قسیم النار والجنۃ۔ باب مدینۃ العلم۔ باب الحکمت سیدہ خود زنان جنت کی سردار۔ نبوت کا گوہر۔ رسالت کا جوہر۔ غریبوں کا ملجا۔ مسکینوں کا ماویٰ۔ ولایت کا مخزن۔ عبادت کی زینت۔ حیا کی ملکہ۔ امکان کی شہزادی۔ ہدایت کا سرچشمہ۔ عالمہ غیر معلمہ۔ طاہرہ، مطہرہ۔ مقدسہ، معظمہ، عفیفہ۔ عقیلہ۔ نبیلہ اور نبوت کا گوہر بی بی تھیں۔ طہارت ان پر نازاں، عبادت ان پر حیراں۔ شرم و حیا گرداں جن کی گود سے علم کے دریا۔ شجاعت کے سمندر۔ خطابت کے بحر اور طہارت کے چشمے پھوٹے بنی نوع انسان کی گردن پر جناب فاطمہ کا احسان قیامت تک رہے گا۔ اور خصوصاً عالم اسلام تو اس معظمہ کے سامنے سر اٹھانے کی تاب نہیں رکھتا۔

اقبال اس معظمہ کی شان سے پوری پوری آگاہی رکھتے ہیں۔ وہ جس طرح بعد رسول علیؑ کو امیر المومنینؑ، رہبر کامل اور حقیقی جانشین رسول سمجھتے ہیں۔ اسی طرح ان کے نزدیک جناب سیدہؑ بھی بڑی عزت و تکریم کی مالک خاتون ہیں۔ وہ جناب سیدہؑ کو عورتوں کے لئے مکمل نمونہ تصور کرتے ہیں۔ وہ اسلام کی بیٹیوں کو ہدایت کرتے ہیں کہ اگر وہ صحیح مسلمان خاتون بننا چاہتی ہیں تو ان کے لئے ضروری ہے کہ وہ جناب سیدہؑ کے اسوہ حسنہ کو اپنے لئے خضر راہ بنائیں۔ ان کا شعار اپنائیں۔ اُن کے عادات و خصائل جناب سیدہؑ کے سانچے میں ڈھلے ہوئے ہوں۔ کیونکہ اسلام میں جناب فاطمہؑ ہی ایک ایسی ہستی ہیں۔ جنھوں نے اپنے پدر عالیمقدار سے عورتوں کے لئے مسائل سیکھے اور پھر ان پہ زندگی گذار کر مسلمان خواتین کے لئے نمونہ پیش کیا۔

اقبال بار بار مسلمان عورتوں کو سمجھاتے ہیں کہ اگر وہ چاہتی ہیں کہ ان کے بیٹوں میں سے کوئی ایسا فرزند ہو، جو کہ جادۂ شبیری پر چل سکے۔ جو دنیا کے سامنے حضرت شبیر جیسی عظیم اور اولوالعزم ہستی بن سکے تو ان کو چاہیئے کہ وہ اپنے آپ کو جناب فاطمۃ الزہرا کی کنیز بنائیں

تب ان کی گود میں کوئی حسینؑ کا غلام پیدا ہو کر اسلام کے لئے قابلِ فخر فرزند بن سکے گا
اقبالؔ اس پر مکمل ایمان رکھتے ہیں کہ جناب فاطمہؑ کی تربیت ہی کا یہ اثر تھا کہ اسلام کو حسنؑ حسینؑ جیسی قابلِ فخر ہستیاں ملیں - جن میں سے ہر ایک نے وہ کردار و عمل دنیا کے سامنے پیش کیا، جس کی مثال عام انسان تو کیا بڑے بڑے عالی مرتبت اور اولوالعزم پیغمبر بھی پیش نہ کر سکے۔

اقبالؔ کا سیدہ طاہرہ کی شان میں مشہور قصیدہ ہے، جو کہ زنانِ عالم کے لئے اس مقدسہ کو سمجھنے کے لئے کافی ہے۔ اقبالؔ کے اشعار کی تشریح کر لینا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے۔ اور پھر جو چاشنی اور حلاوت شعر میں ہوتی ہے۔ نثر میں وہ سما نہیں سکتی مزید برآں اقبالؔ کا فارسی کا کلام اردو سے زیادہ جامع ہے۔ کیونکہ اقبالؔ نے فارسی کلام کو اس لئے اپنایا تھا کہ اردو کا دامن اتنا تنگ نظر آیا کہ وہ ان کے خیالات اور افکار کے لئے کم مایہ ثابت ہوا۔ علامہ نے جناب سیدہ کے متعلق تقریباً تمام خیالات کا اظہار فارسی میں کیا ہے اور یہ تاثر دیا ہے کہ انھیں اس محسنہ اسلام کے لئے خاص تردد تھا۔ علامہ مسلم عورتوں کو تلقین کرتے ہیں کہ وہ جناب زہرا سلام اللہ علیہا کے نقش قدم پر چلیں۔ کیونکہ زہراؑ عورتوں میں منفرد مقام رکھتی ہیں۔ لیجئے قصیدہ ملاحظہ فرمائیے۔

مریمؑ از یک نسبتِ عیسیٰؑ عزیز ⁂ از سہ نسبت حضرت زہراؑ عزیز

جناب مریم حضرت عیسیٰؑ کی مادرِ گرامی ہونے کی وجہ سے عزت کے قابل ہیں۔ انھیں یہ ایک ہی وجہ تفوق حاصل ہے۔ لیکن ان کے مقابلے میں جناب زہراؑ تین واسطوں سے عزت کے لائق ہیں۔ وہ تین واسطے اشعار ذیل میں بیان کئے گئے ہیں۔

(۲) نور چشم رحمۃً للعالمین ⁂ آں امام اولین و آخریں

جناب مریم کے ایک واسطے کے مقابلہ میں اقبالؔ نے جو جناب سیدہؑ کی تین قابلِ فخر صفات بیان کی ہیں۔ ان میں سے پہلی یہ ہے کہ جناب فاطمہ زہرا رحمۃ للعالمین، فخر موجودات، رمز شناس اسرار کائنات ختمی مرتبت حضرت محمد مصطفیٰ کی اکلوتی نور چشم ہیں۔ جو کہ بنی نوع

انسان کے لئے اولین و آخرین امام ہیں۔ حضورؐ خود فرماتے ہیں کہ اوّل ما خلق اللہ نوری۔ یعنی تمام خلقت سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میرا نور پیدا کیا۔ پھر حضورؐ چونکہ آخری نبیؐ ہادی اور راہبر ہیں۔ اس لئے ان کو امام آخرین کہا گیا ہے۔

(۳) آنکہ جاں در پیکر گیتی دمید ؏ روزگارِ تازہ آئیں آفرید

(وہ) وہ ہستی ہے جس نے پیکرِ عالم میں روح پھونکی اور ایک ایسا زمانہ پیدا کیا جس کو آئین نو عطا ہوا۔ یہ وہ آئین ہے جو مکمل ضابطۂ حیات ہے۔ محمد مصطفےٰؐ نے کون و مکان میں روح پھونک دی اور زمانہ کو تازہ قانون دیا۔ ایسا قانون جو زندگی گذارنے کے لئے مکمل ضابطہ ہے۔ اگرچہ حضورؐ سے قبل ایک کم ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر اللہ کا پیغام لوگوں کے لئے لائے تھے۔ لیکن ہر نبی کے بعد اس کی امت نے اس کی تعلیم کو مسخ کر دیا۔ اور قدرت کو نت نئے ہادی بھیجنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ لیکن ہمارے رسولِ مقبول نے ساکنانِ عالم کو ایسا جامع دستور العمل عطا کیا جو تا قیامِ قیامت کسی ترمیم و تجدید کا محتاج نہیں۔

(۴) بانوئے آں تاجدارِ ھل اتیٰ ؏ مرتضیٰؑ مشکلکشا، شیرِ خدا

حضرت فاطمۃ الزہراؑ کو حضرتِ مریمؑ پر دوسرا تفوق یہ ہے کہ آپ تاجدارِ ھل اتیٰ حضرت علیؑ مرتضیٰ، مشکلکشا، شیرِ خدا کی زوجہ ہیں۔ حضرت علیؑ کی زندگی کا کوئی ایک واقعہ ایسا نہیں جس میں انھوں نے مشکلکشائی نہ کی ہو۔ بلکہ ان کی زندگی کا ہر لمحہ ضرورت مندوں کی مشکلیں حل کرنے میں گذرا۔ وہ ظاہری لباس میں آنے سے قبل بھی جہاں انبیا علیہم السلام اور دوسرے رہنمایانِ جہاں کی مدد کرتے رہے۔ وہاں وہ عام لوگوں کے بھی مشکلکشا تھے بے شک ایسی جامع صفات خاتون کے لئے ایسا ہی مخزنِ کمالات موزوں زوج تھا۔

(۵) بادشاہ و کلبۂ ایوانِ او ؏ یک حسام و یک زرہ سامانِ او

وہ (جناب امیرؑ) بادشاہ تھے لیکن ان کا مکان ایک چھوٹی سی جھونپڑی پر مشتمل تھا۔ اور ان کے گھر میں سامان صرف ایک تلوار اور زرہ تھی۔ حضرت مریمؑ پر جناب زہراؑ کو یہ بھی فوقیت حاصل ہے کہ اگرچہ وہ علیؑ جیسے شہنشاہ کون و مکان کی زوجہ تھیں۔ لیکن ان کی زندگی

راتنی سادہ تھی کہ اُن کے پاس کفار کے ساتھ لڑانے کے لئے اللہ کی عطا کی ہوئی ذوالفقار اور نبی کی بخشی ہوئی زرہ کے سوا کوئی سامان نہ تھا۔ اور وہ بھی غرباء کی حاجت براری کیلئے کئی بار رہن ہوئی۔ گویا حضرت علیؓ کے پاس اپنا کوئی سامان نہ تھا، جو تھا وہ اللہ اور رسول کی عطا تھی۔ ایسی عظیم المرتبت شہزادی کا اتنے سادہ اور خدا و رسول کے قانع شوہر کے ساتھ ہمیشہ اس کی رضا کے مطابق زندگی گذارنا آپ کا ہی حصہ ہے۔ آسمان نے کوئی عورت ایسی نہیں دیکھی ہوگی جیسے حضرت زہراؑ کی طرح عورت ہوتے ہوئے عورتوں کی خواہشات پر مکمل کنٹرول تھا اور جن کی رضا خالق کی رضا میں گم تھی۔

(۶) مادرِ آں مرکزِ پرکارِ عشق مادرِ آں قافلہ سالارِ عشق

آپ اُس ہستی کی والدہ ماجدہ ہیں جو کہ پرکارِ عشق کے مرکز ہیں یعنی حضرت امام حسنؑ۔ اور آپ اس عظیم بطل جلیل کی والدہ ہیں جو کہ عشق کے قافلہ کا سالار ہے یعنی حضرت امام حسینؑ۔ اگلے اشعار میں جناب ڈاکٹر صاحب جناب سیدہ کے دونوں شہزادوں کی شان بیان کرتے ہوئے جناب زہراؑ کی فضیلت بتاتے ہیں۔

(۷) آں یکے شمعِ شبستانِ حرم ؎ حافظِ جمعیتِ خیر الامم

وہ ایک یعنی حضرت امام حسنؑ حرم کے شبستان کی شمع اور امت کی جمعیت کے محافظ ہیں۔ حضرت امام حسنؑ نے معاویہ سے صلح کر کے اسلام کے شیرازہ کو منتشر ہونے سے بچا لیا۔ اگرچہ معاویہ اس صلح کے بعد بلا شرکت غیرے عالم اسلام کا بادشاہ بن گیا۔ لیکن یہ صلح کر کے سرکارِ صلح نے اسلام کی جمعیت کو ٹکڑے ٹکڑے ہونے سے بچا لیا اور انھوں نے یہ ثابت کر دیا کہ خانوادہ محمد کو ظاہری شان و شوکت، رعب و دبدبہ اور حکومت و حکمرانی کی ضرورت نہیں، بلکہ اِن میں سے ہر ایک اسلام کی جمعیت کا محافظ اور " واعتصموا ....." کا درس دینے کا داعی ہے۔

(۸) تا نشیند آتشِ پیکار و کیں پشت پا زد بر سرِ تاج و نگیں

آپ نے تاج و تخت پر پاؤں کی ٹھوکر ماردی تا کہ آتشِ پیکار بجھ جائے۔ سرکارِ صلح نے معاویہ سے صلح اس لئے نہیں کی تھی کہ آپ اُس کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔ اُن

کے بازوؤں میں بھی زورِ حیدری تھا۔ ان کے پاس بھی رسولِ مقبول کے جنگ کے طریقوں کا علم اور تجربہ تھا۔ ان کے پاس بھی کبھی شکست نہ کھانے والی ذوالفقار تھی۔ پھر بھی انھوں نے صلح کی۔ محض اس لئے کہ وہ دنیا کو بتانا چاہتے تھے کہ اشاعت دین تلوار کے زور سے نہیں بلکہ تبلیغ کے ذریعے سے ہونی چاہئے۔ اسلام تلوار سے نہیں بلکہ اخلاق حسنہ سے پھیلے گا۔ انھوں نے اس بات سے بھی آگاہ کیا کہ دین کے مقابلہ میں حکومت کتنی حقیر چیز ہے۔ پھر صلح کا جو شرائط نامہ تحریر ہوا اس کا ایک ایک نقطہ دین کی تبلیغ کی ہزاروں نہروں کا منبع تھا۔ آپ مستقبل کے حالات کا حال میں بند و بست کر رہے تھے۔ یہ سرکار صلح ہی کی دور اندیشی تھی کہ یزید کی ولیعہدی کی مخالفت ہوئی۔ اگرچہ معاویہ آپ کی شہادت کے بعد اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا۔ لیکن یہ وقتی کامیابی تھی۔ سرکار صلح کے بقیہ حصہ کو نواب کربلا نے پورا کیا۔

(۹) واں دگر مولائے ابرارِ جہاں ٭ قوّت بازوئے احرارِ جہاں

جناب زہرا کا دوسرا لختِ جگر جس کی وجہ سے انھیں برتری حاصل ہے یعنی حضرت امام حسینؑ دنیا میں نیکوکاروں کے سردار ہیں اور آزادوں کی قوت بازو ہیں جناب سرورِ کونین کا ارشاد ہے کہ حسنؑ و حسینؑ جوانانِ جنت کے سردار ہیں۔ حسینؑ مجھ سے ہے اور میں حسینؑ سے ہوں۔ حضرت حسینؑ نے معاویہ کے ولیعہدی کے ارادے کی مخالفت کر کے دینِ مبین کی لاج رکھ لی۔ رسولؐ کی رسالت کو بچا لیا۔ اہل حق کے لئے جادۂ حق پیش کر دیا۔ آپ نے یہ ثابت کر دیا کہ حق کی خاطر دنیا کی بڑی سے بڑی اور جابر سے جابر حکومت کے سامنے ڈٹ جانا چاہئے۔ جان چلی جائے۔ عزیز و اقارب اور احباب آنکھوں کے سامنے ذبح ہو جائیں۔ اہل حرم کی قید قبول کر لی جائے لیکن باطل کے سامنے سر خم نہ کیا جائے۔ حضرت حسینؑ کے چھ گھنٹوں کے عمل نے اسلام کے جملہ ارکان کو ایسی دوامیت بخشی کہ پھر کسی یزید کو دین مسخ کرنے کی جرات نہ ہو گی۔ معاویہ کے بیٹوں سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے حکومت چھن گئی۔ لیکن حسینؑ کی اولاد آج بھی دیکھو دنیا میں سردار ہے۔ یقیناً جناب مریمؑ کو یہ عظمت حاصل نہ ہوئی۔

(۱۰) در نوائے زندگی سوز از حسینؑ ٭ اہل حق حریت آموز از حسینؑ

زندگی کی آواز میں حضرت امام حسینؑ ہی کی وجہ سے آواز ہے۔ آپ ہی سے اہل حق کو حریت کا سبق ملتا ہے۔ حضرت حسینؑ نے اسلام کے پیروکاروں کو آگاہ کر دیا کہ زندگی کرنے کی خو کیا ہے آپ اہل حق کے لئے چشمۂ فیض اور منارۂ عظمت ہیں۔ آپ کے عمل کو مدنظر رکھ کر آدمی انسان بن سکتا ہے۔ حضرت مریمؑ کے فرزند ارجمند کو حضرت حسینؑ کا سا رتبہ میسر نہ آیا۔

(۱۱) سیرت فرزندہا از امہات ٭ جوہر صدق و صفا از امہات

بیٹوں کی سیرت ماؤں سے بنتی ہے۔ سچائی اور پارسائی کا جوہر ماؤں سے ملتا ہے حضرت امام حسینؑ کے کارناموں کو بیان کرنے کے بعد اقبال فرماتے ہیں کہ چونکہ ان دونوں شخصیتوں نے صدف عصمت وطہارت بضعتہ الرسول کی گود میں پرورش پائی تھی۔ اس لئے وہ دنیا میں یکتا کردار پیش کر گئے۔ کیونکہ مائیں بیٹوں کے کردار اور اخلاق کی معمار ہوتی ہیں۔ اور جناب سیدہ نے ایسے طاہر ومطہر اور صالح بیٹے پروان چڑھائے جو کہ از آدم تا ایندم یکتا ہیں۔

(۱۲) مزرع تسلیم را حاصل بتول ٭ مادراں را اسوۂ کامل بتول

جناب زہرا تسلیم و رضا کی کھیتی کا ثمر ہیں۔ اور ماؤں کے لئے جناب فاطمہؑ مکمل نمونہ ہیں۔ لسان قدرت جناب محمد مصطفےٰ کا ارشاد گرامی ہے۔ فاطمہ میرا ٹکڑا ہے۔ جہاں مردوں کو رسولؐ نے اسلام کے جملہ مسائل سے آگاہ فرمایا وہاں عورتوں کے مخصوص مسائل کے لئے اسوہ کامل جناب سیدہؑ ہیں۔

(۱۳) بہر محتاجے دلش آں گونہ سوخت ٭ با یہودی چادر خود را فروخت

ایک محتاج کے لئے آپ کا دل اتنا متاثر ہوا کہ آپ نے اپنی چادر ایک یہودی کے پاس فروخت کر دی تاکہ اس سے محتاج کی حاجت پوری ہو جائے۔ اسلام کی تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ جناب زہراؑ کے بیٹے جو کہ مندرجہ بالا عظمت وشان کے حامل تھے وہ کئی بار محتاجوں کی امداد کے لئے فروخت ہوئے اور ان کی قیمت لیکر غرباء کے سوال پورے کئے گئے۔

(۱۴) نوری وہم آتشی فرماں برش ؎ گم رضائش در رضائے شوہرش

فرشتے جوکہ نوری مخلوق ہیں اور جن کہ ناری مخلوق ہیں، جناب زہرؑا کے فرمانبردار تھے آپ کی رضا اُن کے شوہر کی رضا میں گم تھی۔ فرشتے نوری ہوتے ہیں اور ان کا کام سوائے عبادت اور چند ایک دوسرے فرائض جوکہ بڑے اہم ہیں، مثلاً انبیاء کو پیغام قدرت پہنچانا۔ فرشتہ ہی ہے جوکہ اللہ تعالیٰ کے بڑے بڑے مقبول بندوں کی جان قبض کرتا ہے ایسی نوری اور خدا کی عبادت گذار اور اہم امور پر مامور مخلوق جناب سیدہؑ کی تابعدار تھی کوئی آکر ان کے بچوں کا جھولا جھلاتا۔ کوئی آکر چکی پیستا۔ اس کے ساتھ اللہ کی دوسری مخلوق آپ کے سامنے دم بخود تھی۔ اِس کے باوجود آپ کی ذات والاصفات اپنے شوہر کی رضا میں جوکہ مرضات اللہ کے مصداق تھے، گم تھی۔ جناب سیدہ کی تمام زندگی میں کوئی ایک ایسا واقعہ نہیں ملتا جو آپ کے شوہر جناب امیر علیہ السلام کی ناراضگی کا موجب ہوا ہو۔ آپ نے اپنی ہر خواہش کو جناب علی کی خواہش میں مدغم کر رکھا تھا اور جناب امیرؑ کی ہر خواہش اللہ کی رضا میں گم تھی۔

(۱۵) آں ادب پروردۂ صبر و رضا ؎ آسیا گرداں ولب قرآں سرا

آپ صبر و رضا کی پروردہ تھیں۔ آپ کے ہاتھ چکی چلایا کرتے تھے اور آپ کی زبان تلاوتِ قرآن میں مصروف ہوتی تھی۔ شہنشاہ کونین نے اپنی بیٹی کو جہیز میں خاص طور پر چکی دی تھی اور جناب سیدہ نے قوتِ لایموت اپنے ہاتھوں سے چکی پیس کر تیار کی لیکن اس کے ساتھ ساتھ آپ ہمیشہ کلام اللہ کی تلاوت میں مصروف رہتیں۔ ہاتھ چکی ہلاتے تو لب پر تلاوت کلام اللہ ہوتی۔

(۱۶) گریہ ہائے اُو ز بالیں بے نیاز ؎ گوہر افشاندے بداماں نماز

آپ کے آنسوؤں کو کسی مادّی لوازمات کی ضرورت نہیں تھی بلکہ وہ نماز کے دامن پر موتی بکھیرتی تھیں۔ جناب سیدہ جب اللہ کے حضور نماز میں ہوتیں تو بکمال خضوع خشوع نماز کو ادا کرتیں۔ یوں تو ان مقدس ارواح کا ہر عمل نماز اور عبادت تھا مگر جب یہ نماز میں ہوتے تو ان کی عبادت ہر عابد سے ارفع و اعلیٰ ہوتی۔

(۱۷) اشکِ اُو برچید جبرئیل از زمیں ؛ ہمچو شبنم ریخت بر عرشِ بریں
جبرئیل نے آپ کے آنسو زمین سے چنے اور عرش بریں پر شبنم کی طرح بکھیر دیئے
جناب سیّدہ نے سرور کونین کی وفات کے بعد زمانے کی ستم ظریفی پر جو آنسو بہائے، حضرت جبرئیل نے اُن آنسوؤں کو اکٹھا کر کے عرش عظیم پہ جا کر پیش کیا اور پھر انھیں عرش پر بکھیر کر عرش کی تازگی کو بڑھا دیا۔ ؎

(۱۸) رشتہ آئینِ حق زنجیرِ پاست ؛ پاسِ فرمانِ جناب مصطفیٰ است
(۱۹) ورنہ گردِ تربتش گردیدمے ؛ سجدہ ہا بر خاکِ اُو پاشیدمے
اللہ تعالیٰ کے قانون کی زنجیر پاؤں میں ہے اور حضرت رسولِ خدا کے حکم کا لحاظ ہے ورنہ میں ان (جناب زہرا) کی قبر کے گرد ان کی خاک پر سجدے کرتا۔ علامہ ان اشعار میں جناب سیّدہ سے اپنی انتہائی عقیدت کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اگر قانونِ خداوندی اور شریعتِ محمدیہ میں غیر اللہ کو سجدہ کرنے کی اجازت ہوتی تو میں جناب سیّدہ کی تربت کے طواف کرتا اور ان کی قبر پر سجدے کرتا۔

(۲۰) فطرتِ تو جذبہ ہا دارد بلند ؛ چشمِ ہوش از اسوۂ زہرا مبند
اقبال مسلمان عورتوں کو نصیحت کرتے ہیں کہ اگر تم دنیا میں کچھ کرنا چاہتی ہو کہ صحیح مسلم خواتین بن سکو تو حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کے نمونے سے آنکھیں نہ بند کرنا۔ تم میں فطرتی جذبات بلند و ارفع موجود ہیں۔ لیکن جب تک جناب سیّدہ کے اسوۂ حسنہ پر عمل نہیں کروگی اس وقت تک تم اپنے مقصد کو نہیں پا سکتیں۔

اقبال کے مندرجہ بالا اشعار جناب سیّدہ سے عقیدت کو بالکل واضح کر دیتے ہیں کہ ان کے نزدیک اس مخدومہ کونین کی شان اور تقدس کتنا ارفع و اعلیٰ تھا۔ اور آخر کے شعر میں مسلمان عورتوں کو اسوۂ حسنہ جناب بتولؑ پر عمل کرنے کی تلقین کرتے ہیں۔ اقبال ایک اور جگہ فرماتے ہیں۔ ؎

بتولے باش و پنہاں شو ازیں عصر ؛ کہ در آغوش شبیرے بگیری
اقبال مغربی عورتوں کے دلدادہ نہیں بلکہ مشرقی عورتوں کی طرح گھر کی چاردیواری کے

اندرِ عورت کا رہنا زیادہ پسند کرتے ہیں ۔ اقبال کا یہ کہنا کہ دورِ حاضرہ کی فضا میں گم ہوکر عورت اپنی فطرت کو فنا کر دے ۔ اقبال کا یہ تصور کہ اس ماحول سے الگ رہ کر آج کی عورت اپنا کردار سنوارے اور فاطمۃ زہرا کے اصولوں کو اپنا نصب العین بنالے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس کی نسل شبیری اصول پر عمل پیرا دکھائی دے گی ۔ اقبال یہ چاہتے ہیں کہ مسلمان عورتیں جناب فاطمہؑ کے اصول پر گامزن ہوں اور عصرِ حاضر کے لئے اسوۂ شبیری رکھنے والے فرزند پیدا کریں ۔

علامہ اقبال جناب زہراؑ کی عظمت و بزرگی عفت و پاکیزگی بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جہاں جناب سیدہؑ نے عورتوں کے لئے پیغمبری کے کام کئے وہاں انھوں نے قوم کو ایسے اولوالعزم، بلند ہمت اور صاحب ایثار، دین حق کے شیدا بیٹے دیئے جو قوم کے لئے باعث صد افتخار اور وجہ عزّ و وقار ہیں ۔ ۵

قوم را سرمایہ اے صاحب نظر ٭ نیست از نقد و قماش و سیم و زر
مال او فرزند ہائے تندرست ٭ تر دماغ و سخت کوش و چاق و چست

کسی قوم کا سرمایہ یہ نہیں ہوتا کہ اس کے پاس کتنا سیم و زر ہے بلکہ قوم کے لئے سرمایہ ایسے افراد ہوتے ہیں کہ جو تر دماغ ہوں ۔ سخت کوش ہوں اور چست ہوں ۔ حضرت زہراؑ نے . . . . ایسے فرزند عطا کئے جن کی مثال کرۂ ارض پیش نہیں کر سکتا ۔ انھوں نے قوم کو جو سرمایہ عطا کیا وہ نہ صرف مسلمانوں کے لئے باعث افتخار ہے بلکہ انسانیت اس پر نازاں ہے کہ اس میں حضرت حسنؑ اور حضرت حسینؑ جیسے عالی دماغ، معاملہ فہم، مقصد کے لئے تن من دھن قربان کر دینے والے اور اصول کی خاطر مال و زر اور جان تک قربان کر دینے سے دریغ نہیں کرتے ۔ حضرت زہراؑ کے ارجمندوں نے دنیا کی سخت سے سخت آزمائش میں پوری ثابت قدمی کا اظہار کیا ۔ یہی وجہ ہے کہ ملکوتِ سماوی عبادات کو ترک کر کے ان کے مزاروں پہ آکر جبہ سائی کرتے ہیں ۔

جناب سیدہؑ نے اپنے فرزندوں کو عرفان الٰہی منزل کی تربیت دی کہ جہاں عام انسان تو کیا ملائک بھی نہیں پہنچ سکتے ۔ آپ نے بچوں کو سلایا تو آیات قرآنی پڑھ پڑھ کر انھیں

ے آسیا گرداں و لب قرآں سرا

اسی لئے تو علامہ مسلمان عورتوں کو تلقین کرتے ہیں۔ ے

چشمِ ہوش از اسوۂ زہرا مبند — تا کہ وارد فطرتِ تو جذب بلند

یعنی اے مسلمان عورت! اسوۂ زہرا کو چشمِ ہوش سے دیکھ تاکہ تیری فطرت میں بلند جذبے پیدا ہو جائیں۔ گویا اسوہ زہرا کے اپنانے سے ہی تو اپنی فطرت کو بھی بلند کر سکتی ہے جناب سیدہ کو اللہ تعالیٰ نے طبقہ نسواں کے لئے نمونۂ احسن بنایا ہے۔ مولانا شاہ نظامی عظمت زہرا کے متعلق لکھتے ہیں۔

"رسالت، فاطمہ پر نازاں۔ نبوت، فاطمہ پر قرباں۔ امامت فاطمہ کی شایاں۔ شرافت، فاطمہ کی بہار۔ سیادت فاطمہ کے نثار۔ طہارت فاطمہ کا شعار۔ عفت، فاطمہ کی لونڈی صداقت فاطمہ کی کنیز۔ جنت، فاطمہ کی گرویدہ اور امامت فاطمہ کی زر خریدہ"

اقبال جناب فاطمہ زہرا کو سیدۃ النساء العالمین۔ افضل النساء۔ صدیقہ۔ طاہرہ۔ معظمہ۔ مخدومہ۔ مکرمہ اور عفیفہ خیال کرتے ہیں۔ جنھوں نے قوم کو حسنؑ و حسینؑ جیسے دو گوہرہائے گرانمایہ سے عطا کئے۔ جن کی اولوالعزمی اور کارنامے مسلمانوں کے لئے ہی نہیں بلکہ بنی نوعِ انسان کے لئے باعثِ صد افتخار ہیں۔

سرکارِ صلح حضرت امام حسن علیہ السلام

حضرت امام حسنؑ کی صلح اور حضرت امام حسینؑ کا جہاد دراصل ایک ہی سلسلہ کی دو کڑیاں اور ایک ہی تصویر کے دو رُخ تھے۔ ان دونوں میں اتنا گہرا رشتہ ہے کہ ایک دوسرے سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔ تاریخ کا تحقیق و بصیرت کی نگاہ سے مطالعہ کیا جائے تو بلا خوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ اگر امام حسنؑ ان حالات میں کہ جن سے وہ دوچار ہوئے معاویہ سے صلح نہ فرماتے تو شہادت امام حسینؑ قطعاً بیکار اور بے اثر ہو کر رہ

باقی۔ اور افقِ اسلام آج تک یزیدیت کی اُن ہی منحوس گھٹاؤں سے گھرا رہتا جن کو فرد کرنے کے لئے خلیل کربلا نے ۶۱ھ میں "وفدیناہ بذبحٍ عظیم" کی عملی تفسیر کرتے ہوئے وہ مہتم بالشان قربانی پیش کی تھی جس کی نظیر تاریخ عالم میں ڈھونڈے سے نہیں ملتی"۔ (صلح امام حسنؑ از محمد شریف)

مفاد اسلام اور احساس فرض اور جبر و نفس کشی کی یہی وہ منزل تھی جو امام حسنؑ کو ان صبر آزما اور روح فرسا حالات میں کہ جن کا تذکرہ واقعات کربلا ہیں، امام حسنؑ کو خاموش رہنے پر مجبور کر رہی تھی ورنہ جان دے دینا اور قربان گاہ شہادت پر سر کی بازی لگا دینا تو خاندانِ بنی ہاشم کے ادنیٰ سے ادنیٰ افراد کے لئے بھی ایک کھیل سے زیادہ اہمیت نہ رکھتا تھا۔ اور امام حسنؑ تو خانوادہ رسالتؐ کے ایک منفرد چشم و چراغ ہی نہ تھے بلکہ آغوش تربیتِ رسولؐ کے ایک ایسے گوہر آبدار تھے، جس پر رسالت کو خود ناز تھا۔ شہادت و شجاعت آپ کے گھر کی کنیز تھی۔ اور جہاد و جانبازی کا سبق عرب و عجم اور عراق و روم کے دلیروں نے اسی گھر سے سیکھا تھا"۔

امام حسنؑ عصمت و طہارت، عفت و پاکدامنی۔ زہد و قناعت، تواضع و انکساری، سخاوت و مہمان نوازی۔ جود و سخا۔ داد و دہش۔ علم و اخلاق۔ شجاعت و بہادری۔ علم و حکمت اور قضایا و انصاف میں اپنے زمانہ کے یکتا تھے۔

اقبالؔ نے جہاں اس خانوادہ عصمت و طہارت کے دوسرے افراد کے فضائل و مناقب بیان کئے وہاں انھوں نے بارگاہِ امام حسنؑ میں بھی عقیدت کے پھول چڑھائے۔ انھوں نے حضرت حسنؑ کی ایک صلح کو زیادہ راسی کو مسلمانان عالم بلکہ بنی نوع انسان کے لئے نجات کا ضامن ثابت کیا۔ اور یہ واضح کیا کہ ان کا صرف یہی ایک عمل ایسا ہے جس کے ہوتے ہوئے حضرت حسنؑ کے کسی اور واقعہ زندگی کو دیکھنے کی ضرورت نہیں۔ اگر مسلمان ان کے اسی ایک درس کو اپنا لیں تو ان کے لئے کافی و وافی ہے۔

لیجئے اقبالؔ کے اشعار سرکار صلح کے حضور پڑھئے جو انھوں نے جناب فاطمۃ الزہرؑا کی شان بیان کرتے ہوئے کہے ہیں۔

مادرِ آں مرکزِ پرکارِ عشق　　مادرِ آں کارواں سالارِ عشق

آپ کی والدہ معظمہ پرکارِ عشق کا مرکز ہیں۔ اور آپ کی والدہ گرامی عشق کے قافلہ کی سالار ہیں۔ حکومت کی کشش اور خواہش ہر انسان کو طبعی طور پر ہوتی ہے۔ لیکن یہ امام حسنؑ کی شان استغنا ہے کہ انھوں نے اللہ کے حکم کے احترام میں تخت و تاج کو ٹھوکر مار دی لیکن حفاظت دین کے منصب کو نہ چھوڑا۔ اسی کو پسند کرتے ہوئے اقبال حضرت امام حسنؑ کو جناب فاطمہ زہرا کے ذریعہ سے مرکز پرکارِ عشق اور سالارِ قافلہ عشق کے نام دیتے ہیں۔

آں یکے شمعِ شبستانِ حرم　　حافظِ جمعیتِ خیر الامم

وہ ایک یعنی امام حسن علیہ السلام حرم کی شبستان کی شمع اور امت کی جمعیت کے محافظ ہیں۔ سرور کائنات، فخر موجودات، وجہ تخلیق کائنات کو حضرت امام حسن علیہ السلام سے انتہائی انسیت اور بے حد محبت تھی۔ چنانچہ حدیث شریف ہے "یہ میرا بیٹا سید ہے اور امید ہے کہ اللہ اس کے ذریعہ سے مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں کے درمیان صلح کرا دے گا"

اقبال کے نزدیک آپ نے مسلمانوں سے خونریزی دور کر کے کعبۃ اللہ کی رونق کو دوبالا کیا۔ اور اسے ظلمت نفاق و بغض سے اسی طرح امن و سکون میں رکھا جس طرح شمع تاریک کوٹھری کو ظلمت سے روشن کرتا ہے۔ آپ کی ظاہری خلافت سے دستبرداری نے ہی مسلمانوں کو خونریزی اور جنگ و جدل سے بچا لیا۔

تا نشیند آتشِ پیکار و کیں　　پشت پا زد بر سرِ تاج و نگیں

اقبال فرماتے ہیں کہ امام حسنؑ نے مسند حکومت کو چھوڑ کر اسے ٹھوکر مار دی تاکہ عداوت اور جنگ و جدل کی آگ سے امت محمدیہ محفوظ و مامون رہے۔ اور مسلمان واعتصموا بحبل اللہ پر عمل پیرا ہو سکیں۔ اقبال مسلمانوں کو حضرت امام حسنؑ کی پیروی کی ہدایت کرتے ہیں۔ امام حسنؑ نفسانی خواہشات کو دینی مفاد کے لئے قربان کرتے رہے تاکہ عداوت و نفاق کا قلع قمع ہو جائے اور اتفاق و اتحاد کی فضا قائم ہو۔

اقبال نے شخصیت حضرت حسنؑ سے مسلمانوں کو صرف اتحاد و یگانگت کا سبق حاصل کرنے

کو کہا اور واضح کیا کہ اگر وہ امام حسن علیہ السلام کی طرح ذاتی وجاہت اور خواہشات پر قابو پاکر جماعتی اور اجتماعی نقطہ نظر سے سوچیں تو ان کا یہ اقدام جہاں ایک طرف پیروی شہزادہ سرکار صلح ہوگی۔ وہاں دوسری طرف ان کے لئے نجات اخروی اور دنیا میں کامرانی کا موجب وسبب بنے گی۔ اس طرح مسلمان دنیا و آخرت میں سرخرو ہوں گے۔

حضرت امام حسینؑ کے حضور عقیدت کے پھول

شہزادہ کونین سرکار شہادت۔ نفس ختمی مرتبت۔ نور دیدہ محمد مصطفٰےؐ۔ پروردہ کنار بتولؑ۔ ناز پروردہ علی مرتضٰیؑ، زور بازوئے حسن مجتبٰیؑ۔ رونق ارض وسما۔ زینت عرش علیٰ۔ گلچین گلزار دیں۔ باعث امن وتسکین۔ فخر جہاں۔ شاہ زماں۔ واقف اسرار نہاں۔ کشتی دین کا لنگر۔ شہید انسانیت۔ کشتہ حیرت۔ پیکر صبر ورضا۔ کوہ عزم وثبات۔ سترۂ کون ومکاں۔ آئینہ دین وایمان۔ مصداق ذبح عظیم۔ فدیہ اسمٰعیل۔ باعث صدق خلیل۔ غریبوں کا سہارا۔ اسلام کا محسن وپیارا۔ خودی کا پیامبر۔ فلک امامت کا قمر۔ آسمان شرافت کا آفتاب۔ چرخ نجابت کا ماہتاب۔ مجاہد اسلام۔ غازی بے مثال۔ شجیع لازوال۔ تفسیر اسلام کا مالک۔ ملت بیضا کا سالک۔ نیزے کا قاری۔ بازار کوفہ وشام کا واعظ۔ دشمن کے دربار کا بیباک مقرر۔ جوانان جنت کا سردار۔ شہزادہ کونین حضرت امام حسینؑ کی شخصیت اسلام میں وہ منارہ عظمت ہے، جس سے کوئی بھی کلمہ گو متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ چہ جائیکہ اقبال جیسا مردم شناس مفکر تاریکی میں رہ جائے۔ چنانچہ علامہ نے اس پیامبر خودی کے حضور ایسے ایسے گلہائے عقیدت پیش کئے کہ قلم ان کو لکھنے اور دماغ ان کو سمجھنے اور زبان ان کی تشریح وتوضیح سے عاجز ہیں۔ جب اقبال نے حضرت امام حسینؑ کی مدحت میں لاتعداد اشعار لکھ ڈالے اور پھر بھی طبیعت سیر نہ ہوئی تو انھوں

اسلام کی تاریخ پر نظر ڈالی اور مندرجہ ذیل شعر کہہ کر دل کو تسلی دی۔ کہ ؎

اسلام کے دامن میں بس دو ہی تو چیزیں ہیں
اک ضرب ید اللٰہی، اک سجدۂ شبیری

اور پھر اس کی یوں تشریح فرماتے ہیں۔ ؎

کبھو ئی ضرب ید اللٰہی سے بیدار روح قرآنی ٭ تو چمکی سجدۂ شبیر سے ملت کی پیشانی

اقبال کے نزدیک اسلام کو اگر کسی شخصیت نے دوام بخشا ہے تو وہ صرف اور صرف حضرت امام حسین علیہ السلام ہیں۔ آپ نے کربلا کے تپتے ہوئے صحرا اور ابلتے ہوئے ریگزار اور بے آب و گیاہ جنگل میں جو نقش چھوڑے، وہ جس طرح دنیا کے ہر فرد بشر کو حیرت زدہ کر دیتے ہیں۔ اسی طرح علامہ کے نزدیک بھی اس عظیم شخصیت کا یہ کارنامہ ملت کے لئے باعث صد افتخار ہے۔ اقبال کے نزدیک جہاں اسلام دوسرے مذاہب کے سامنے اپنی صداقت و سچائی پیش کرنے کے لئے اسوہ رسول مقبول، حیات ابو طالب اور عصمت وطہارت بتول پیش کر کے تفوق حاصل کرتا ہے وہاں ان تمام چیزوں کے بچانے اور بحال رکھنے اور دین کو لافانی بنانے والے مرد محض حضرت حسین کا کردار بھی ایک ابدی حقیقت ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔ ؎

حریت زاد از ضمیر پاک او ٭ ایں مے نوشیں چکید از خاک او
بہر حق در خاک و خوں غلطیدہ است ٭ پس بنائے لا الٰہ گردیدہ است

گویا بنائے لا الٰہ صرف ذات حسین ہے۔ اسی لئے تو خواجہ معین الدین چشتی اجمیری نے بھی فرما دیا۔ ؎

شاہ است حسین بادشاہ است حسین ٭ دین است حسین دیں پناہ است حسین
سر داد نہ داد دست در دست یزید ٭ حقا کہ بنائے لا الٰہ است حسین

اقبال نے اپنے کلام میں جابجا حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ کی عظیم قربانی کا ذکر کیا ہے اور بتلایا ہے کہ قربانی کا جذبہ ہی کسی قوم کی عظمت اور عزم و استقلال کا پتہ دیتا ہے۔ لیکن اگر حضرت امام حسینؑ جنہوں نے دس محرم ۶۱ھ کو کربلا کے میدان میں اپنی عظیم قربانی پیش کر کے

جہاں حضرت اسمٰعیلؑ کو بچا لیا وہاں انھوں نے ختمی مرتبت کی آمد کے ظاہری اسباب کو محفوظ کر دیا۔ اسی لئے تو علامہ فرماتے ہیں کہ۔ ؎

غریب و سادہ و رنگیں ہے داستان حرم ؛ نہایت اس کی حسینؑ ابتدا ہے اسمٰعیلؑ

پھر صرف یہی نہیں بلکہ حضرت حسینؑ علامہ کی نظر میں صدق خلیل کا سبب بنے اور انھوں نے حضرت ابراہیمؑ کو وہ مرتبہ دلایا کہ آپ خلیل اللہ کے معزز رتبے پر فائز ہوئے۔

صدق خلیل بھی ہے عشق، صبر حسینؑ بھی ہے عشق
معرکۂ وجود میں، بدر و حنین بھی ہے عشق

گویا جہاں نہ ہیں صدق خلیل اور بدر و حنین کے معرکے اولوالعزمی کے لئے پیش کئے جا سکتے ہیں وہاں سرکار کربلا کا صبر بھی ان کے ساتھ برابر کا شریک ہے۔

فقر اقبالؔ کے کلام کا خاص موضوع ہے۔ وہ فقر کو اسلام کا جزو لاینفک تصور کرتے ہیں اور ان کا حضور صلعم کی اس حدیث الفقر فخری پر پورا پورا ایمان ہے۔ ان کے نزدیک فقر ہی ایک ایسی دولت ہے جس کو حاصل کرنا ایک مسلمان کا مقصد زندگی ہونا چاہیئے اور جس کے حصول کے لئے مسلمان کو اپنا تن من دھن سب کچھ قربان کر دینے سے دریغ نہیں کرنا چاہئے۔ مگر وہ فقر اگر کہیں سے مسلمان کو مل سکتا ہے تو وہ محض ذات حسینؑ ہے۔

اک فقر ہے شبیری، اس فقر میں ہے میری
میراث مسلمانی، سرمایۂ شبیری

پھر علامہ فرماتے ہیں کہ بدر و حنین میں اصحاب رسولؐ بالخصوص جو حضرت علیؓ نے کردار ادا کیا وہ فقر کی ظاہری شکل تھی۔ گویا غزوات اسلامیہ کو علامہ فقر کی ظاہریت بیان کرتے ہیں لیکن حضرت امام حسینؑ کے کربلا میں چھ گھنٹوں کے عمل کو فقر کی مکمل تفسیر و تشریح کے طور پر پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ ؎

فقر عریاں گرمئ بدر و حنین ؛ فقر عریاں بانگ تکبیر حسینؑ

مومن موت سے نہیں ڈرتا بلکہ موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اس سے پنجہ آزمائی کرتا ہے اقبالؔ بھی اس پر پوری طرح ایمان رکھتے ہیں۔ بلکہ وہ تو اپنے کلام میں مسلمانوں کو یہ بات ذہن نشین

کراتے ہیں کہ موت سے مومن نہیں ڈرتا۔ کیونکہ مومن کا موت کچھ بگاڑ نہیں سکتی بلکہ موت مومن کے لئے مژدۂ جانفزا ہے۔ اس عارضی زندگی کی بجائے دوامی زندگی کی ابتدا ہے۔ موت سے گویا مومن کی زندگی شروع ہوتی ہے۔ اسی لئے وہ اس کو اپنے لئے باعث راحت پاتا ہے۔
لیکن حضرت امام حسینؓ کی شہادت اس سے بھی بڑھ کر سرٹیفکیٹ لائی اور کربلا کے میدان میں حضرت حسینؓ اور اُن کے ساتھیوں نے جام شہادت نوش فرما کر حضرت ابراہیمؑ کے توکل اور حضرت اسمعیلؑ کی رضا کی لاج بھی رکھ لی اور انھوں نے حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ کو بھی سُرخ رُو کیا۔ اقبالؔ فرماتے ہیں۔ ؎

گرچہ ہر مرگ است بر مومن شکر ؛ مرگ پورِ مرتضیٰ چیزے دگر

علاّمہ کے نزدیک انسان کی بخشش کے لئے صرف اور صرف غم حسینؓ کافی و وافی ہے۔ وہ خود فرماتے ہیں کہ اگرچہ میں اعمال کا کوئی تحفہ ایسا نہیں رکھتا جو پیش کر کے قیامت کے دن نجات حاصل کر سکوں۔ لیکن پھر بھی قیامت کے دن ظلِ دامنِ حیدریؓ میری تلاش میں ہوگا تاکہ مجھ گنہگار کو ڈھانپ لے۔ اور میری نجات ہو۔ مجھ پر یہ التفات محض اس لئے ہوں گے کیونکہ میں کشتہ جور و جفا، شہزادہ کونین، خودی کے پیامبر کے غم میں رونے والا ہوں۔ علاّمہ کے نزدیک غم حسینؓ ایک ایسا تحفہ ہے کہ اگر یہ تحفہ لے کر میدان حشر میں پہنچ گیا تو میری نجات فوراً ہو جائے گی۔

وہ لوگ جو غم حسینؓ کو بدعت کہتے ہیں اور جو یہ کہتے ہیں کہ حضرت امام حسینؓ کے میدان کربلا میں کامیاب ہونے پر خوشی منانی چاہیے اُن کا عمل اقبالؔ کے مقابلے میں کتنا برعکس ہے اقبالؔ کے نزدیک تو نجات کا ذریعہ محض غم حسینؓ ہے اور وہ غم حسینؓ کی بجائے عید کرتے ہیں۔
ع۔ بریں عقل و دانش بباید گریست۔

لیجئے اقبالؔ اپنی نجات کے لئے جو تحفہ میدان حشر میں لے کر جا رہے ہیں اور جس کے ہوتے ہوئے اپنی نجات کا پورا پورا یقین ہے وہ باقیات اقبالؔ میں عبدالواحد ایم۔ اے کراچی نے ظاہر کیا اور اسی طرح اقبالؔ کے عقیدے کو ظاہر کرتے ہوئے دوسروں کے لئے عمل کا سامان مہیا کیا۔ اقبالؔ کا میدان حشر کے لئے تحفہ ملاحظہ فرمایئے۔

واسطہ دوں گا اگر لخت دل زہرا کا میں ؛ غم میں مجھ کو چھوڑ دیں گے شافع محشر مجھے
رونے والا ہوں شہید کربلا کے غم میں میں ؛ کیا دُرِ مقصد نہ دیں گے ساقیٔ کوثر مجھے
دل میں ہے مجھ بے عمل کے داغ عشق اہلبیت ؛ ڈھونڈتا پھرتا ہے ظلِّ دامن حیدرؔ مجھے

اقبالؔ کا عقیدہ دیکھیں اور غور فرمائیں کہ علامہ کو اپنی بخشش کے لئے دنیا سے کوئی زیادہ عبادت کا تحفہ محشر میں لے جانے کا تردد نہیں بلکہ اُن کے نزدیک صرف سوگواریٔ حسینؑ ہی بخشش کے لئے کافی ہے۔ اقبالؔ اس پر ایمان رکھتے ہیں کہ حضرت علی علیہ السلام میدانِ حشر میں جنت و دوزخ کے قسیم ہوں گے۔ جب حضرت علیؑ قسیم النار والجنۃ ہیں اور میرے پاس اُن کی کشتۂ بے جرم وخطا اولاد کا غم ہے تو پھر نجات یقینی ہے۔ فارسی کے ایک شعر میں اقبالؔ یہی کہتے ہیں۔ ؎

ازاں کشتِ خرابے حاصلے نیست ؛ کہ آب از خونِ شبیرے ندارد

اقبالؔ لوگوں کو تلقین کرتے ہیں کہ اگر ان ہیں مسلک شبیرؑ پر چلنے کی خواہش نہیں ہے تو اُن کو اقبالؔ کے ساتھ نہیں چلنا چاہیئے۔ انھیں اقبالؔ کو اپنا قومی وملی شاعر نہیں کہنا چاہیئے۔ کیونکہ اقبالؔ تو ان لوگوں کی نوا ہے جو کہ مسلک شبیریؑ اپنائے ہوئے ہیں۔ چنانچہ علامہ اپنا مسلک واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ ؎

تیر و سنان و خنجر و شمشیرم آرزوست ؛ بامن بیا کہ مسلکِ شبیرؑم آرزوست

اقبالؔ کہتے ہیں کہ میری خواہش ہے کہ میں تیر، برچھی اور تلوار لوں۔ اس وقت میرے ساتھ کسی ایسے آدمی کو نہ آنا چاہیئے جو کہ اپنے آپ کو مجبور محض اور قضا و قدر میں جکڑا ہوا سمجھتا ہو۔ کیونکہ میں نے حضرت شبیرؑ کے طریق پر چلنے کا عزم کیا ہوا ہے۔ یعنی میں نے یہ طے کر رکھا ہے کہ میں دین کا محافظ ذات خدا کے ساتھ ساتھ مسلک شبیریؑ کو بھی سمجھتا ہوں۔ اگر آئین اسلام کے تحفظ کے لئے تلوار اٹھانی پڑے تو اس سے دریغ نہیں کرتا۔ انسان کو اسلام کے لئے اپنا تن، من، دھن حتیٰ کہ اپنے ناموس کی قید تک کی پرواہ نہ کرنی چاہیئے بلکہ ہر حال اور ہر مشکل کے وقت اسے صرف کلمہ حق کی پیروی کرنی چاہیئے۔ اگر مسلمان حضرت حسینؑ کے طریق کو اپنائیں تو پھر انھیں زمانہ کے حوادث کی کوئی پرواہ نہ رہیگی اور وہ اُن

سے بالاتر ہو کر ایک قابلِ رشک مقام حاصل کر سکتے ہیں جس کو اپنے اور بیگانے سب ہی عزت کی نگاہوں سے دیکھیں گے اور سب ان کے اصولوں کی پیروی کرنے میں فخر محسوس کرینگے اس طرح انسان فانی زندگی کو ابدی زندگی میں تبدیل کر سکتا ہے اور اپنے لئے وہ مقام و مرتبہ حاصل کر سکتا ہے جو ایک مومن کا مقصود و مطلوب ہوتا ہے اور جیسے ذاتِ واحد بھی پسند کرتی ہے اور ایسے انسان کو قیامت تک کے لئے منارۂ عظمت اور شمعِ راہ بنا لیتی ہے۔

جس طرح اس سے قبل اقبال کے جناب امیر خیبر گیر علیہ السلام اور جناب سیدہ طاہرہ مخدومہ معظمہ کی شان میں قصائد پیش کر چکا ہوں۔ اسی طرح ذیل میں ان کا جناب حسینؓ کے حضور ایک قصیدہ پیش کرتا ہوں۔

(۱) ہر کہ پیماں با ہو الموجود بست ⁂ گردنش از بندِ ہر معبود رست

جس کسی نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ بلیٰ کا عہد باندھا اس کی گردن غیر معبود کی قید سے نجات پا گئی یعنی خالق حقیقی کا بندہ بن جانے سے غیر اللہ کا طوقِ غلامی ٹوٹ گیا۔

(۲) مومن از عشق است عشق از مومن است ⁂ عشق را ناممکن ما ممکن است

مومن عشق سے ہے اور عشق مومن سے باقی ہے۔ ہمارا ناممکن بھی عشق کے لئے ممکن ہے۔ جس کو ایک عام آدمی ناممکن سمجھتا ہے وہ عشق کی وجہ سے ممکن ہو سکتا ہے۔

(۳) عقل سفاک است و او سفاک تر ⁂ پاک تر، چالاک تر، بیباک تر

عقل ظالم ہے لیکن عشق اس سے بھی زیادہ ظالم۔ زیادہ پاک زیادہ چالاک اور زیادہ بیباک اقبال عشق اور عقل کا موازنہ حضرت ابراہیمؑ کے نارِ نمرود میں کود جانے پر یوں کرتے ہیں۔

بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق ⁂ عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی

(۴) عشق صید از زورِ بازو افگند ⁂ عقل مکار است و دامے می زند

عشق زورِ بازو سے شکار کرتا ہے۔ لیکن عقل مکار ہے اور مکر کے جال سے شکار کرتی ہے۔

(۵) عقل گوید شاد شو، آباد شو ⁂ عشق گوید بندہ شو آزاد شو

عقل انسان کو آزاد اور خوش رہنے کی تلقین کرتی ہے۔ لیکن عشق کہتا ہے کہ ایک کا بندہ بن کر ماسوا کی غلامی سے آزاد ہو جا۔

(۶) عشق را آرام جاں حریت است ٭ ناقہ اش را ساربان حریت است
عشق کو حریت سے آرام ملتا ہے - اس کی اونٹنی کے لیے ساربان حریت ہے

(۷) آں شنیدستی کہ ہنگام نبرد ٭ عشق با عقل ہوس پرور چہ کرد
کیا تو نے سنا کہ لڑائی کے وقت عشق نے ہوس زدہ عقل کے ساتھ کیا سلوک کیا

(۸) آں امام عاشقاں پور بتول ٭ سرو آزادی ز بستان رسول

اقبال عشق اور عقل کا موازنہ کرنے کے بعد حضرت امام حسینؓ کو عاشقوں کا امام کہتے ہیں وہ عاشقوں کے امام، حضرت بتولؓ کا بیٹا۔ باغ رسولؐ کا آزاد سرو ہیں۔ اس سے قبل کے اشعار میں اقبال عقل و عشق کا موازنہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ حضرت حسینؓ نے عشق کو اپنا کر ازل کے وقت کا کیا ہوا وعدہ پورا کیا - اگر وہ عقل کی غلامی کرنے والے ہوتے تو وہ میدان کربلا میں تشریف نہ لاتے اور اپنی جان بچانے کے لئے دست باطل پر اپنا ہاتھ رکھ دیتے لیکن چونکہ نواب کربلا عشق کے پروردہ تھے - اس لئے انھوں نے عقل کو جو کہ وقتی حادثات کا خیال رکھتی ہے عشق کے تابع کیا - حضرت امام حسینؓ کے کچھ دوستوں نے جو راز درون پردہ سے آگاہ نہ تھے اور جو حضرتؓ کے کربلا جانے کے عزم میں مانع ہوئے تھے وہ ازل کا کیا ہوا وعدہ اور آنے والے حالات اور اس وقت بیعت کر لینے سے پیدا ہونے والی اسلام میں رخنہ اندازیوں سے آگاہ نہ تھے - اس لئے وہ حضرتؓ کو یزید کے سامنے کلمہ حق سے باز رہنے کا مشورہ دیتے رہے - لیکن چونکہ حسینؓ رسولؐ کا سرو آزاد حق آگاہ و بیباک تھا اس لئے اس نے کسی کے مشورے کی پرواہ نہ کی اور اسلام پر آنے والے لاتعداد حملوں کو ایک ہی بار کے اپنے عمل سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے شکست دے دی -

(۹) اللہ اللہ بائے بسم اللہ پدر ٭ معنی ذبح عظیم آمد پسر

اللہ اللہ: باپ تو بائے بسم اللہ کے مصداق ہیں اور بیٹا ذبح عظیم کا مطلب ہے۔ مفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ جو کچھ سارے کلام اللہ میں ہے، اس کا خلاصہ بسم اللہ میں ہے اور جو کچھ بسم اللہ میں ہے بائے بسم اللہ اس کا لب لباب ہے اور بائے بسم اللہ کا نچوڑ اس نقطہ میں ہے جو بائے بسم اللہ کے نیچے ہے - جناب امیر علیہ السلام کا قول ہے "انا نقطہ

تحت الباءُ" یعنی میں "ب" کے نیچے نقطہ ہوں ۔ تو گویا جناب علیؓ تمام کلام اللہ کا خلاصہ ہیں اسی لئے جناب سرورِ کونین فرمایا کرتے تھے کہ علیؑ قرآنِ ناطق ہے ۔ قرآن علیؑ کے ساتھ ہے اور علیؑ قرآن کے ساتھ ۔ اسی وجہ سے اقبالؔ نے کہا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کو اللہ تعالےٰ نے فرمایا تھا وفدیناہ بذبحٍ عظیم یعنی ہم نے اسمٰعیل کی قربانی کے بدلے ایک زیادہ بڑی قربانی قبول کرلی ہے ۔ وہ بڑی قربانی یہی ہے کہ جو حضرت حسینؑ نے کربلا میں پیش کرنے کا وعدہ کیا تھا کہ گردنِ اسمٰعیل پر چھری نہ چلے ۔ میں اس کے بدلے میں اپنا اور اپنے اکہتر ساتھیوں کے گلے کٹوا دوں گا ۔ اس سے قبل اقبال کا ایک شعر جو کہ اسی شعر کی تشریح ہے لکھ چکا ہوں ۔ فرماتے ہیں ۔ ؎

غریب وسادہ و رنگیں ہے داستانِ حرم ؏ نہایت اس کی حسینؑ ابتدا ہیں اسمٰعیل

؎

بہرآں شہزادۂ خیر الملل ؏ دوشِ ختم المرسلیں نعم الجمل

خیر الملل یعنی جناب رسالتمآبؐ کے اس شہزادے کے لئے دوش ہائے رسولؐ سواری بن گئے ۔ تاریخ اسلام کا یہ مشہور واقعہ ہے کہ عید کے دن رسولِ خدا حضرت حسینؑ کے لئے مرکب بنے ۔ اور حسینؑ پشت پر زلفین راکب ۔ رسول اللہ کی وہ زلفیں جن کی اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں قسم کھاتا ہے ، وہ جناب حسینؑ نے مہار کے طور پر پکڑی ہوئی تھیں اور رسول خدا دروازہ بتولؑ سے مسجد نبوی تک چکر لگاتے تھے ۔ حسینؑ نے خواہش کی کہ نانا جان ! دوسرے لوگوں کی سواریاں بولتی ہیں ۔ اس پر رسولؐ نے قرآن مجید کی آیات تلاوت کرنا شروع کردیں ۔ اس حالت میں رسولؐ نے قبول کو دیکھ کر حضرت عمرؓ نے کہا ۔ شہزادو ! تمہاری سواری کتنی اچھی ہے تو رسول اللہ نے فرمایا ۔ اے عمر دیکھ ! سوار بھی کتنے اچھے ہیں ۔ اس شعر میں اقبالؔ نے اس واقعہ کی صداقت بیان کی ہے ۔ ایک اور شاعر نے اس نقشہ کو یوں پیش کیا ۔ ؎

عید کے دن زیبِ تن پوشاکِ جنت ہوگئی ؏ خم سواری کے لئے پشتِ نبوت ہوگئی ۔
دونوں باگیں بن گئیں زلفیں رسولُ اللہ کی ؏ آج قبضہ میں امامت کے نبوت ہوگئی ۔

(۱۱) سرخ رُو عشقِ غیور از خونِ او ؛ شوخیٔ این مصرعہ از مضمونِ او

آپ کے خون سے عشق غیور سرخرو ہو گیا اور اس کے مضمون سے اس مصرعہ کی شوخی کربلا کے مضمون سے ہے ۔ حضرت حسینؑ عشق میں اس بلند ترین مقام پر فائز ہیں کہ جس کی وجہ سے خود عشق آپ پر نازاں ہے اور آپ ہی کی وجہ سے اس کا معیار قائم ہو گیا جس کی تفصیل واقعات کربلا میں ملتی ہے کہ کس قدر سرشاری اور خودداری کا مظاہرہ میدان کربلا میں کیا گیا ۔

(۱۲) درمیانِ اُمّت آں کیواں جناب ؛ ہمچو حرفِ قُل ہو اللہ در کتاب

حضرت امام حسینؑ اُمّت میں وہی مرتبہ رکھتے ہیں جو قل ہو اللہ کو قرآن مجید میں حاصل ہے ۔ یعنی جس طرح سورۂ توحید سے شرک و کفر کی بیخ و بن اکھڑ جاتی ہے ۔ اسی طرح قرآن ناطق حضرت امام حسینؑ اسلام کو قائم رکھنے کے لئے منارۂ عظمت ہیں ۔ اور ان ہی کے وجود مسعود سے نفاق و بغض کا خاتمہ ہو گیا ۔ گویا جس طرح سورۂ توحید قرآن صامت میں ممتاز سورہ ہے ۔ اسی طرح قرآن ناطق حضرت امام حسین علیہ السلام اسلام میں ممتاز شخصیت کے حامل ہیں ۔

(۱۳) موسیٰؑ و فرعون و شبیرؑ و یزید ؛ ایں دو قوت از حیات آمد پدید

موسیٰؑ، فرعون، شبیرؑ اور یزید زندگی سے یہ دو قوتیں ظاہر ہوتی ہیں ۔ جس طرح جناب موسیٰؑ نے فرعون جیسے خدا کے باغی کو نیست و نابود کر دیا اور فراعنہ کے خاندان کو ختم کر دیا تھا ۔ اسی طرح حضرت حسینؑ نے اپنے زمانے کے یزید اور خاندان فراعنہ کے یعنی خاندان ابو سفیان کا دنیا سے ایسا نام و نشان مٹایا کہ آج کوئی بھی اُن میں سے ہونے کی جرات نہیں کرتا آج اس خاندان کے ہر فرد کا نام گالی بن چکا ہے ۔ اور یہ خاندان اس طرح بدنام ہے، جیسا کہ فراعنہ ۔ حضرت موسیٰؑ نے فرعون کو نیل میں غرق کر دیا ۔ لیکن حضرت حسینؑ نے خود شہید ہو کر یزید کو زندہ لعنت کے دریا میں غرق کر دیا ۔ یزید اور اس کا خاندان لعنت کے دریا میں ایسے غرق ہوئے کہ تاقیامت اس سے باہر نہیں نکل سکتے ۔

(۱۴) زندہ حق از قوتِ شبیری است ؛ باطل آخر داغِ حسرت میری است

حق حضرت شبیرؑ کی قوت سے زندہ ہے۔ باطل آخرکار حسرت کا داغ لے کر مرنے والا ہے۔ حضرت امام حسین علیہ السلام نے کربلا میں حق کا وہ معیار قائم کیا ہے، جس کو باطل کبھی نیچا نہیں دکھا سکتا۔ اس کے مقابل آپ نے باطل پر وہ کاری ضرب لگائی کہ قیامت تک اُسے سر اُٹھانے کی جرأت نہ ہوگی۔ کربلا میں باطل اپنی قوت اور وسائل دنیاوی کے ساتھ حق و صداقت کے پیکر حضرت امام حسینؑ کے ساتھ ٹکرایا۔ لیکن اس پیکر حق نے باطل کو یوں پاش پاش کیا کہ پھر اُس کے منتشر ٹکڑوں کو یکجا ہو کر حق کے مقابل آنے کی جرأت نہ ہوئی۔ اور نہ آئندہ ایسی جرأت کی امید ہو سکتی ہے۔

(۱۵) چوں خلافت از قرآں رشتہ گسیخت ٭ حریت را زہر اندر کام ریخت
(۱۶) خاست آں سر جلوۂ خیر الاممؐ ٭ چوں سحاب قبلہ باراں در قدم
(۱۷) برزمین کربلا بارید و رفت ٭ لالہ در ویرانہ ہا کارید و رفت

جب خلافت نے اپنا رشتہ توڑا تو حریت کے حلق میں زہر ڈال دیا۔ یعنی نام نہاد خلافت نے جب احکام قرآن کو پس پشت ڈال کر ہوا و ہوس کی طاغوتی طاقتوں کی پرستش شروع کر دی تو حریت کو جان کے لالے پڑ گئے۔ ظاہر ہے کہ جو خلافت احکام قرآن کے مطابق نہ ہو تو وہ خلافت نہیں جبر و استبداد کی حکومت ہے۔ جس میں آزادی خیال اور حریت رائے کی کوئی جگہ نہیں۔ ایسے میں اس بہترین امت کا سردار یعنی امام حسین علیہ السلام قبلہ کی طرف سے اٹھنے والے بادلوں کی طرح باران رحمت کو جلو میں لئے اُٹھے اور ریگزار کربلا پر اس شان سے برسے کہ اس ویرانہ کو لالہ زار بنا دیا۔ تاریخ شاہد ہے کہ زمین کربلا واقعہ شہادت نواسہ رسولؐ سے پہلے ریت کے ٹیلوں اور بھیانک ویران جنگل کے سوا کچھ نہ تھا۔ لیکن جب اس بنجر اور بے آب و گیاہ زمین میں حسینؑ اور اس کے ساتھیوں کا خون مل گیا تو اس پر جہاں بڑی بڑی آبادیاں اور متمدن لوگوں کی بستیاں اور اہل اللہ کی قیام گاہیں وجود میں آئیں وہاں اس زمین نے زر اگلنا شروع کیا۔ یہ دنیا اور دین کا مرکز بھی بن گئی اور اس کے ساتھ ساتھ تجارت و زراعت کے لحاظ سے عراق کے دوسرے علاقوں سے سبقت بھی لے گئی۔ خون حسینؑ کی تاثیر آج تک کربلا کے بے آب و گیاہ صحرا میں ظاہر

رہو رہی ہے کہ۔ ؎

(۱۸) تا قیامت قطع استبداد کرد ؛ موج خون اُو چمن ایجاد کرد

شہزادۂ کونین حضرت امام حسینؑ نے قیامت تک کے لئے ظلم و ستم کو کاٹ دیا اور آپ کے خون کی موج نے باغ ایجاد کیا۔ یعنی جناب امام حسینؑ نے استبداد کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکا اور اپنے خون کی صداقت و حقانیت کا ایسا باغ لگایا جو قیامت تک ہرا بھرا رہے گا۔ اور باطل کی خزاں پرور ہوائیں اس کی سرسبزی اور شادابی پر کبھی اثر انداز نہ ہو سکیں گی۔

(۱۹) بہر حق در خاک و خوں غلطیدہ است ؛ پس بنائے لا الٰہ گردیدہ است

آپ کلمۂ اعلائے حق کے لئے خاک و خون میں لوٹے اور لا الٰہ کی بنیاد بنے۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ اگر امام پاک اپنے طاہر و مقدس خون سے کلمہ توحید ریگزار کربلا پر تحریر نہ فرماتے تو نہ صرف توحید کی بنیادیں متزلزل ہو کر رہ جاتیں بلکہ سرے سے توحید کا نام تک مٹ جاتا۔ اسلام آپ کے دم قدم سے ہی آج تک موجود ہے۔ اگر آپ یہ بےنظیر قربانی نہ دیتے تو آج اس عالم امکان میں یزیدیت کے پرچم لہراتے ہوتے اور اسلام کا نام لیوا ڈھونڈے سے نہ ملتا۔

(۲۰) مدعائش سلطنت بودے اگر ؛ خود نکردے با چنیں ساماں سفر

اکثر اسلام دشمن عناصر یہ کہتے ہیں کہ حضرت امام حسینؑ نے یزید کا مقابلہ حصول سلطنت کے لئے کیا تھا۔ علامہ اقبال اُن عناصر کی تکذیب میں یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ اگر حسینؑ کا مقصد حصول سلطنت ہی ہوتا تو آپ ذُرّیتکم تطہیرا کے مصداق بی بیوں، شیر خوار بچوں اور عمر رسیدہ اصحاب کو ہمراہ نہ لاتے۔ ان سب کا ساتھ لانا اس امر کی بین دلیل ہے کہ آپ یزید کے ساتھ آئین اسلام اور اصول اخلاق کی جنگ کرنے کے لئے آئے تھے۔ اُن کی فوج کا ہر فرد اپنے فرض سے عہدہ برآ ہونے کی پوری پوری اہلیت رکھتا تھا۔ تبھی تو آپ فرمایا کرتے تھے کہ جیسے دوست مجھے کربلا میں ملے۔ ایسے دوست رسول صلعم کو اس میں بھی نہ ملے

(۲۱) دشمناں چوں ریگ صحرا لاتعد ؛ دوستانِ اُو بہ یزداں ہم عدد

آپ کے دشمن صحرا کے ذرّوں کی طرح لاتعداد تھے اور اس کے مقابلہ میں آپ کے دوستوں کی تعداد یہ داں کے اعداد کے برابر تھی یعنی ۷۲ تھی۔ اقبال نے کتنا محکم اور ناقابلِ تردید ثبوت دیا۔ اور یہ استدلال پیش کیا کہ جب آپ ۷۲ جان نثار لیکر لاتعداد دشمنوں کے ساتھ برسرِپیکار ہوئے تو پھر یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ آپ جوع الارض کے لئے کربلا گئے تھے۔ کوئی بھی ذی ہوش یہ نہیں کہہ سکتا کہ اتنی چھوٹی جماعت کا اس قدر بڑے اور اسلحہ سے لیس جم غفیر کے ساتھ جنگ کرنے کا مطلب دنیاوی فتح حاصل کرنا تھا بلکہ یہ محض دینی فتح کا سامان تھا جو کہ کافی اور مکمل تھا۔ دنیا نے دیکھ لیا کہ حضرت حسینؑ نے اپنی اس ظاہری قلیل فوج کے ساتھ دین کے مخالف جم غفیر کو ایسی عبرتناک اور دنداں شکن شکست دی کہ آجتک کوئی یزید بننے کا نام نہیں لیتا۔ اس تشبیہ میں امام مظلوم کے مع الحق ہونے کا لطیف پیرایہ و کنایہ بھی موجود ہے۔ ے

(۲۲) سرِّ ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ بود ؛ یعنی آں اجمال را تفصیل بود

حضرت حسینؑ ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ کے واقعہ کا بھید تھے۔ آپ اس اجمال کی تفصیل تھے اس شعر میں بھی حضرت ابراہیمؑ و حضرت اسمٰعیلؑ کا حضرت حسینؑ کے فدیہ بن جانے کا ذکر ہے

(۲۳) عزمِ اُو چوں کوہساراں استوار ؛ پائیدار و تند سیر و کامگار

آپ کا عزم پہاڑوں کی طرح مضبوط، پائیدار اور اٹل تھا۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے ے

عزمِ حسینؑ عزم تھا پروردگار کا

(۲۴) تیغ بہرِ عزتِ دین است و بس ؛ مقصدِ اُو حفظِ دین است و بس

تلوار صرف دین کی عزت بحال رکھنے کے لئے ہے اور اس کا مقصد اسلام کی حفاظت کے سوا کچھ نہیں۔ اگر کسی وقت تلوار اٹھائی جا سکتی ہے تو وہ صرف دین کی سربلندی کیلئے اٹھائی جا سکتی ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ خانوادہ رسولؐ کے جس فرد نے جب بھی کبھی تلوار اٹھائی محض حمایت دین اور تحفظ کلمۂ حق کے لئے اٹھائی۔ زمانہ رسالتمآبؐ میں حضرت علیؑ کا تلوار کے جوہر دکھانا۔ لیکن آنحضرتؐ کے بعد اپنا حق غصب ہونے اور ابتلاء و آزمائش کے باوجود خاموش رہنا اس امر کا ثبوت ہے کہ ان کی جنگ کسی ذاتی مفاد کی بنا پر نہیں

تھی بلکہ خالصتہً توحید اللہ تھی۔

پھر جنگِ جمل، صفین اور نہروان میں آپ کا شمشیر بکف نکلنا اس امر کی بین دلیل ہے کہ اب پھر دین کو آپ کی نصرت و حمایت کی ضرورت تھی۔ لعینہ حضرت امام حسنؑ اور حضرت امام حسینؑ نے کسی ذاتی منفعت اور دنیاوی مقصد کے لئے اس میدان میں نبرد آزمائی نہیں کی۔ کیونکہ آپ آغوشِ رسالتؐ کے پروردہ اور تربیت گاہِ امامت کے تربیت یافتہ تھے۔

(۲۵) ماسوا اللہ را مسلماں بندہ نیست ؎ پیشِ فرعونے سرش افگندہ نیست

مسلمان اللہ کے سوا کسی کا بندہ نہیں۔ اس کا سر کبھی کسی فرعون کے سامنے نہیں جھکا۔ یہاں مسلمان سے مراد عام مسلمان نہیں بلکہ امام حسین علیہ السلام ہیں۔ جن کو کسی صورت میں ماسوا اللہ کے سامنے سرِ خم کرنا گوارہ نہ ہوا۔

(۲۶) خونِ او تفسیرِ ایں اسرار کرد ؎ ملتِ خوابیدہ را بیدار کرد

حضرت امام حسینؑ کے خون نے ان بھیدوں کی تشریح کی کہ اللہ کے بندے سوائے اللہ کے کسی کے سامنے نہیں جھکتے۔ گویا نواب کربلا کے اس ایک عمل نے سوئی ہوئی قوم کو جگایا وہ مسلمان جو بنی امیہ کے ظاہری کر و فر سے مرعوب ہو چکے تھے۔ واقعہ کربلا اور امامؑ عالیمقام کے عمل نے ان کی آنکھوں سے باطل کے پردے اٹھادئے اور انھوں نے جلد ہی مختار علیہ الرحمہ کی سرکردگی میں اٹھ کر حسینؑ کا ایسا بدلہ لیا، جو رہتی دنیا تک کسی یزید کو پیدا نہیں ہونے دے گا۔ اس طرح حسینؑ نے کمزور کو بالادست سے پنجہ کی جرات دلائی۔

(۲۷) تیغِ لا چوں از میاں بیروں کشید ؎ از رگِ اربابِ باطل خوں کشید

جب آپ نے میان سے لا کی تیغ نکالی تو اہلِ باطل کی رگوں میں خون خشک ہو گیا۔ حضرت امام حسین نے لا کی تلوار سے باطل پرستوں کو ایسا سبق سکھایا کہ آئندہ باطل کو حق کے مقابلہ میں آنے کی کبھی جرأت نہ ہو گی۔

(۲۸) نقشِ اِلّا اللہ بر صحرا نوشت ؎ سطرِ عنوانِ نجاتِ ما نوشت

نواسۂ رسول اللہ نے لا الٰہ کا نقش کربلا کے ریگزار پہ تحریر کیا۔ اور یہی نقش ہماری نجات کا عنوان تھا۔ علامہ مرحوم کا مقصد یہ ہے کہ حضرت امام حسینؑ نے باطل کے کوہ گراں کے

کے ساتھ ٹکڑے کر ثابت کر دیا کہ سوائے اس معبودِ حقیقی کے کوئی طاقت ایسی نہیں جس کے سامنے مردِ مومن کا سر جھکے اور آپ کا یہی اُسوہ حسنہ ہمارے ایمان، یقین اور نجات کا باعث بنا۔ بظاہر یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ ریت کے منتشر ذرات پر لکھی ہوئی تحریر دیرپا ثابت نہ ہوگی لیکن آپ کی اس تحریر کو ایسا دوام اور ثبات ملا کہ تا قیامِ قیامت یہ نقش مدھم نہیں ہو سکتا۔

(۲۹) رمزِ قرآں از حسینؑ آموختیم ؎ ز آتشِ اُو شعلہ ہا اندوختیم

ہم نے حضرت حسینؑ سے قرآنِ مجید کے اسرار و غوامض اور آپ کے سوزِ عشق سے ہم نے سوز و دروں حاصل کیا۔ ظاہر ہے کہ باب مدینۃ العلم کے لختِ جگر سے بڑھ کر کسی کو فہم و ادراکِ قرآن نہیں ہو سکتا۔ اس لئے امام مظلوم کا ہر عمل قرآنی تعلیم کی عملی تفسیر تھی۔

(۳۰) شوکتِ شام و فرِ بغداد رفت ؎ سطوتِ غرناطہ ہم از یاد رفت

(۳۱) تارِ ما از زخمہ اش لرزاں ہنوز ؎ تازہ از تکبیرِ او ایماں ہنوز

سلطنتِ شام کی شان و شوکت اور بغداد کا رعب اور دبدبہ ختم ہو گیا اور غرناطہ کی عظمت بھی جاتی رہی۔ لیکن ہمارے دل کا تار اس مضراب سے ابتک لرزاں ہے اور صحرا کی وسعتوں میں تکبیر کی گونجتی ہوئی صدا ہمارے ایمان کو ابتک زندہ کر رہی ہے۔ ان اشعار کا مفہوم یہ ہے کہ باطل کی بنیادوں پر تعمیر شدہ فلک بوس عمارات پیوندِ زمین ہو چکی ہیں لیکن حق کی بنیادوں پر برپا کئے ہوئے ہدایت کے مینار اب بھی اپنی اصلی آب و تاب سے لئے ہوئے ہیں اور سرکارِ شہادت کی آواز اب تک ہمارے کانوں میں گونج رہی ہے اور ہمیں پکار پکار کر صداقت کا سبق دے رہی ہے۔

(۳۲) اے صبا اے پیکِ دور افتادگاں ؎ اشکِ ما بر خاکِ پاکِ او رساں

اے بادِ صبا اور اے دور افتادگاں کی قاصد ہمارا زردِ جگر ہمارے اشکوں کی شکل میں حضرت امام حسینؑ کے حضور لے جا۔ علامہ مرحوم آخری شعر میں اپنی آہِ دل اور آنسوؤں کا تحفہ امام عالی مقام کے حضور پیش کر کے عرض پرداز ہیں کہ اے باطل کو نیست و نابود کرنے والے اے حق کو ابد الآباد تک زندگی بخشنے والے۔ اے تاجدارِ حریت۔ اے علمبردارِ صداقت،

ہمیں تیرے نقش قدم پر چلنے کی تمنا ہے اور تیرے اسوہ حسنہ کے سوا کوئی چیز دلیل نہیں ہو سکتی۔ ؎

ازاں کشت خرابے حاصلے نیست ؛ کہ آب از خون شبیرؓ نہ دارد

یعنی خون شبیرؓ سے سیراب ہوئے بغیر جو کھیتی پروان چڑھی، خواہ اس کی نمود ظاہری اور تازگی چشم ظاہر کے لیے خیرہ کن ہی کیوں نہ ہو۔ میرے ایمان کے مطابق اس سے کچھ حاصل نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ جب تک انسان حضرت امام حسینؓ کے در پر آ کر ان سے رازِ زندگی نہیں پا لیتا اس وقت تک وہ زندگی سے صحیح طور پر متمتع نہیں ہو سکتا۔ زندگی کا جو گر اور اصول حضرت امام حسینؓ نے پیش کیا، اس کے بغیر زندگی، زندگی نہیں بلکہ ذلت ہے۔ اور موت سے ڈر کر ذلت کی زندگی قبول کرنا حریت کی موت ہے۔ جسمانی موت پر زندگی موقوف نہیں لیکن روحانی موت کے بعد نام نہاد جسمانی زندگی موت سے بھی بدتر ہے۔ چنانچہ کسی کہنہ مشق شاعر کا فیصلہ ہے۔ ع۔ موت پر زندگی تمام نہیں۔

زندگی خاص اصولوں کا نام ہے اور انسان کو سچے اصولوں کے لیے اور حق کی خاطر بڑی سے بڑی طاغوتی طاقت سے ٹکر لینے سے گریز نہیں کرنا چاہیے۔ اس طرح انسان مٹ نہیں جاتا بلکہ زیادہ ابھرتا اور کامران ہوتا ہے۔ دنیا نے دیکھ لیا کہ یزیدیت مر گئی لیکن حسینیت زندہ ہے۔ علامہ اقبال کو اسوہ شبیریؓ کچھ ایسا بھایا کہ وہ ہر نوع کے افراد کو اسی کی تلقین کرتے ہیں۔ اور اسی کو اپنانے کی ترغیب دیتے ہیں۔ چنانچہ تارک الدنیا صوفیا کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ ؎

نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسم شبیریؓ ؛ کہ فقر پادشاہی ہے فقط اندوہ دلگیری

علامہ صوفیا کو مخاطب کر کے کہتے ہیں کہ خانقاہوں میں بیٹھ رہنے والو! یہ اسلامی شعار نہیں اسلام دنیا جہان سے الگ ہو کر مصروف عبادت ہونے کی اجازت نہیں دیتا۔ بلکہ وہ اسے ایک مکمل ضابطہ حیات تصور کرتا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ ایک مسلمان زندگی کی کشاکش میں الجھ کر بھی اپنے معبود حقیقی کا بندہ رہے۔

اے صوفیو! خانقاہوں، مراقبوں اور گوشہ نشینی کو چھوڑ کر اسوہ شبیریؓ اختیار کرو کیونکہ

اسوۂ شبیری ہی مسلکِ اسلام ہے۔ خانقاہوں میں یاس اور غم و اندوہ کے سوا دھرا ہی کیا ہے اس کے مقابلہ میں مسلکِ شبیری یہ ہے کہ انسان دنیا میں باطل پرستوں کو سرنگوں کرے صرف اپنے آپ کو فنافی اللہ کرنا اور بات ہے لیکن اس کے مقابلہ میں ایک ایسی جماعت پیدا کرنا جس کا ہر فرد زمانہ کے لئے چشمہ فیض، حق پرستوں کے لئے نشانِ منزل اور سالکوں کے لئے پیر کامل کا کام دے۔ صوفی صرف اپنی ہی ذات میں گم رہتا ہے۔ اور وہ اس کے لئے مراقبے کی دشوار گزار منزل سے گزر کر اپنے آپ کو کامیاب سمجھتا ہے حالانکہ اگر وہ حضرت حسینؓ کا طریق اپنا کر خانقاہوں کو چھوڑ دے اور عوام الناس کو بہتری کے لئے اور اعلائے کلمۃ الحق کے لئے کوشش کرے تو یہ زیادہ بہتر ہے۔ گویا مسلکِ شبیری صوفی کے مرتبہ سے بدرجہا بہتر ہے۔ جناب حسینؓ کی شان میں علامہ کا ایک اور شعر سنئے

حقیقتِ ابدی ہے مقامِ شبیری بدلتے رہتے ہیں اندازِ کوفی و شامی

ابوالکلام آزاد لکھتے ہیں۔ شہادتِ حسینؓ کا پیغام دنیائے انسانیت کے لئے کیا ہے؟ تیرہ سو برس گزر گئے۔ لیکن آج تک اس کی آواز اس طرح سنائی دیتی ہے جیسے کربلا میں سنائی دیتی تھی۔ ظلم و استبداد چاہے تم کو کچل ڈالیں۔ اور تم اپنے آپ کو بے بس پاؤ لیکن تم ہرگز اُن کے سامنے سرِ تسلیم خم نہ کرو"

جسٹس سر سلیمان تحریر کرتے ہیں۔ "کربلا دنیا کی سب سے پہلی اور آخری آواز ہے جو مظلوموں میں بلند ہوئی اور جس کی صدا آج تک فضائے عالم میں گونج رہی ہے"

"بانیٔ پاکستان قائدِ اعظم محمد علی جناح فرماتے ہیں۔ "حضرت امام حسینؓ سے بہتر اور روشن مثال نہیں مل سکتی۔ حسینؓ مجسمہ تھے ہمت و استقلال اور مردانگی کے اور پیکر تھے ایثار و قربانی کے۔ بالخصوص ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ حضرت امام حسینؓ کی کامیاب زندگی سے سبق لے"

اس پیغمبرِ خودی کو ابدی اور لافانی عظمت حاصل ہے۔ جس طرح حضرت امام حسینؓ چودہ سو سال سے منارۂ عظمت اور شمع روشن کا درجہ رکھتے تھے۔ انقلابِ زمانہ کے باوجود آج بھی مقامِ حسینؓ اتنا ہی بلند ہے اور آج بھی مسلکِ حسینؓ لوگوں کے لئے مشعل

ہدایت کا کام دے رہا ہے ۔ زمانہ کے انداز اور حالات بدل گئے ہیں ۔لیکن آپ کا پیغام آج بھی وہی ہے جو تیرہ سو برس پہلے تھا ۔ آج بھی زمانہ کے حالات و واقعات پر فتح پانے کے لئے حضرت امام حسینؑ کا عمل اپنا کر یزیدیت پر فتح پا سکتی ہے اور اپنا مقام و مرتبہ بلند کر سکتی ہے ۔ گویا باوجود اتنا عرصہ گذر جانے کے بھی حضرت امام حسینؑ کا عمل اپنی مثال آپ ہے ۔

اقبال کا نظریہ یہ ہے کہ مسلمان اس وقت تک اپنا کھویا ہوا مقام دوبارہ نہیں پا سکتے جب تک وہ اسوۂ شبیری پر عمل نہ کریں ۔ رسول اللہ نے چند سال کی تبلیغ سے عرب جیسے جاہل کوتہ اندیش اور اجڈ لوگوں کو ایسا درس حیات دیا جس سے بڑھ کر عمدہ طریق زندگی یقیناً کوئی نبی بھی پیش نہ کر سکا ۔ لیکن شجرۂ طیبہ کے مقابل شجرۂ ملعونہ بھی پلتا رہا ۔ شجر اسلام کے برگ و بار کو توڑنے مسلنے اور ختم کرنے کے لئے ہر قسم کے حربے استعمال کرتا رہا ۔ حق و باطل کی اس مسلسل کشمکش نے بالآخر سانحہ کربلا کا روپ دھارا ۔ یزید اس زعم میں تھا کہ وہ بنی ہاشم کے دینی اور دنیاوی وقار کو صفحہ ہستی سے حرف غلط کی طرح مٹا دے گا ۔ وہ برملا کہتا تھا کہ (نعوذ باللہ) جناب رسالتمآبؐ پر نہ نزول وحی ہوا نہ وہ پیغمبر خدا ہیں ۔ یہ بنو ہاشم کا ایک محض ڈھونگ تھا ۔ وہ پوری طاقت کے ساتھ حق کے مقابل صف آرا ہوا ۔ لیکن اسے یہ معلوم نہ تھا کہ پیکر عزم و ثبات، مدبر اعظم، سرکار شہادت امام حسین علیہ السلام سے منہ کی کھانا پڑے گی ۔ علامہ اقبال کی یہ دلی آرزو ہے کہ جس طرح حضرت حسینؑ نے تیر و سنان اور خنجر و تلوار کی پروا کئے بغیر اعلائے کلمۃ الحق کو فرض عین جانا ۔ اور کسی نوع کا باک محسوس نہیں کیا ۔ اسی طرح ہر مسلمان اپنے اظہار حق و صداقت میں کوئی جھجک محسوس نہ کرے اور یہ صرف اسی صورت میں ممکن ہے کہ مسلمان اسوۂ شبیری کو مشعل راہ بنائیں ۔ اقبال حضرت حسینؑ کے اسوۂ کامل کی ایک اور خوبی یوں واضح کرتے ہیں ۔

ہر کہ کاہ و جو خورد قرباں شود ٭ ہر کہ نور حق خورد قرآں شود

یعنی جو آدمی گھاس پھوس اور غلہ وغیرہ کھاتا ہے وہ محض قربان ہو جاتا ہے ۔ لیکن اس کے مقابلے میں جو آدمی نور حق کو اپنے آپ میں جذب کر لیتا ہے وہ قرآن ہو جاتا ہے ۔ یعنی وہ دنیا

میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مقبول اور باقی رہنے والا ہو جاتا ہے۔ وہ اس طرح مسلمانوں کو بتاتے ہیں کہ اگر انھوں نے زندگی کا مقصد۔ ع۔ بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست۔ تک محدود کر لیا تو وہ فنا ہو جائیں گے۔ لیکن اس کے مقابلہ میں اگر انھوں نے حضرت شبیرؓ کی طرح نورِ حق کو اپنے آپ میں سمو لیا تو وہ آیت اللہ بن جائیں گے۔ اور پھر ایسا مسلمان جس راہ سے گزر جائے گا اس کے نقش پا پسماندگان کے لئے سنگ میل ہوں گے اور آنیوالی نسلیں ان نقوش پا پر گامزن ہو کر فائز المرام ہوں گی۔ اور ان قافلوں کے سالار چلا چلا کر اعلان کریں گے۔ کہ۔ ؎

ابھی اس راہ سے کوئی گیا ہے ٭ کہے دیتی ہے شوخی نقشِ پا کی

علامہ اقبال فرماتے ہیں کہ زمین کربلا کی ریت آج تک یہ واضح کر رہی ہے کہ اس پر کسی بڑے قافلہ کا گذر ہوا ہے۔ جس کے نقوشِ راہ ریت کے ذروں پر ہنوز باقی ہیں۔ ریت کی خاصیت یہ ہے کہ اس پر سے نشان بہت جلد مٹ جاتا ہے۔ لیکن حضرت حسینؓ نے غیر فطری چیز کو فطری بنا کر ریگ زار کربلا پر اپنے عمل سے ایسے نقوش چھوڑے جو کہ آج تک لوگوں کے لئے درس عبرت اور ان کے لئے تازیانہ کا کام دے رہے ہیں۔ ؎

مومن از عشق است و عشق از مومن است ٭ عشق را ناممکن ما ممکن است

اقبال کے نزدیک شہزادہ کونین نواسہ رسولؐ، دلبند علیؓ و بتولؓ یا پیمبر خوبی حضرت امام حسینؓ کی شخصیت سراپا عشق ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ عشق اور مومن دونوں ایک ہیں۔ اسی لئے مومن ناممکن شے کو ممکن بنا لیتا ہے۔ میدان کربلا میں حضرت امام عالیمقام کے کردار کو ملاحظہ کیجئے کہ انھوں نے انتہائے عشق کا ثبوت دیتے ہوئے خون میں نہا کر کس طرح اپنا گلا کٹوا دیا۔ بچوں اور جوانوں کی قربانیاں دے دیں۔ اپنے حرم کے لئے قید و بند کی تکالیف قبول کر کے ناممکن کو ممکن بنا دیا۔ اور موت کی ہچکیاں لیتے ہوئے پیکر اسلام میں تازہ روح پھونک کر اسے ابدی زندگی عطا کی۔ یہ سب کچھ عشق حسینؓ کا ادنیٰ سا کرشمہ ہے۔ پھر اقبال کہتے ہیں کہ حضرت حسینؓ نے کربلا کے میدان میں اللہ تعالیٰ کو پہچان کر جو سجدہ کیا یہ اُسی سجدہ کا نتیجہ ہے کہ آج حق پرست مسلمان غیر اللہ کے سامنے

نہیں جھکتا یا یہ حقیقی معبود کے

حضور اپنا سر نیاز خم کرتا ہے ۔ ہماری تمام عبادتیں ایک سجدہ شبیر کا صدقہ ہیں ۔ اگر حضرت امام حسینؑ کربلا کے میدان میں یاوروانصار کی شہادت کے بعد خون میں نہاکر جسم پر ایک ہزار نو سو پچاس زخموں کے ہوتے ہوئے اپنے معبودِ حقیقی کی پہچان نہ بتاتے تو آج اللہ کا ایک بھی عابد بندہ دنیا میں نہ ہوتا ۔ ؎

وہی سجدہ ہے لائق احترام ؏ کہ ہو جس سے ہر سجدہ تجھ پر حرام

اقبال فرماتے ہیں کہ اے انسان! وہی سجدہ احترام کے قابل ہے جس کی وجہ سے غیر اللہ کا سجدہ حرام ہو جاتا ہے ۔

"لا الٰہ الا اللہ" کہنے سے انسان تمام جھوٹے خداؤں کی نفی کر کے صرف ایک معبودِ حقیقی کی عظمت کا اقرار کر کے جہاں بیشمار الجھنوں اور پریشانیوں سے نجات پالیتا ہے، وہاں اُس میں خودداری، خوداعتمادی اور یقین کامل بھی پیدا ہو جاتا ہے اور وہ مطمئن ہو جاتا ہے کہ اس کا رب معبودِ حقیقی ہے اور وہ اپنی صراطِ مستقیم اور جادۂ حق پر گامزن ہے ۔ یہ درس اُسے بعد نبیؐ صرف جناب شہید کربلا سے ملا ۔

جنابِ فاطمہؑ طاہرہ کی شان کے قصیدہ میں سیدۂ کونین کی فضیلت کا اظہار کرتے ہوئے ان کی وجوہ تفوق میں ایک وجہ یہ بھی بتلاتے ہیں کہ انھوں نے جناب امام حسینؑ جیسے سید الابرار، قافلہ سالارِ احرار فرزند کو جنم دیا ۔ جس نے اہل عالم کو زندگی کی نعمتوں کے ساتھ ساتھ درسِ حریت سے بھی سرفراز فرمایا ۔ ؎

واں دگر مولائے ابرارِ جہاں ؏ قوتِ بازوئے احرارِ جہاں

در نوائے زندگی سوز از حسینؑ ؏ اہل حق حریت آموز از حسینؑ

اقبال نماز کی عظمت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ وہ نماز جو عام لوگوں کی نماز ہے ۔ یعنی وہ نماز جو عام لوگ پڑھتے ہیں وہ نماز نہیں بلکہ نماز کی معراج یہ ہے کہ ۔ ؎

نمازِ عشق حسینؑ حجاز ہے گویا ؏ یہی نماز خدا کی نماز ہے گویا

یعنی حضرت حسینؓ کی نماز کا عشق کرنا اتنا ہی بلند مرتبہ رکھتا ہے جتنا کہ کرہ ارضی میں سے مجاز کو مرتبہ ملا۔ عشق حسینؓ کی گویا وہ نماز ہے، جس میں حسینؓ کا عشق نہیں، اس کی نماز، نماز نہیں۔ نماز وہی درجۂ قبولیت کو پہنچ سکتی ہے، جو حضرت حسین علیہ السلام کی نماز کی طرح سے ادا کی گئی ہو۔ ؎

اقبال مسلمانوں کو مخاطب کر کے کہتے ہیں:۔ ؎

بیا تا ازیں انجمن بگذریم ؂ ازیں کاخ و کوئے کہن بگذریم

اے مسلمان آ کہ ہم اس دنیا کی ہا ؤ ہو سے گزر کر آگے بڑھیں اور اس پرانے کاخ و کو سے بھی پار چلے جائیں۔ اس سے بڑھ کر دیکھیں کہ اس چرخ نیلی فام اور مٹی کے فرش سے آگے کیا ہے۔ اقبال کے نزدیک۔ ؎

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں
ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں

پھر فرماتے ہیں:۔ ع ۔ عشق کی ایک جست نے طے کر دیا قصہ تمام

اقبال کہتے ہیں کہ اے مسلمان، آ۔ کہ اس چرخ نیلی فام سے بڑھ کر

دگر خیمہ در کربلائے زنیم ؂ بہ ایں بے نوائے، نوائے زنیم

آ کہ ہم کربلا کی طرح ایک اور بلند مرتبہ جگہ پیدا کریں۔ یعنی اسوۂ شبیرؓ کو اپنائیں اور اس بے نوا دنیا کی بجائے ایک پائیدار دنیا پیدا کریں۔ اور ہماری آواز اس دنیا کی آواز سے زیادہ موثر اور پرسوز ہو۔ اس کی یہ تاثیر ہو کہ۔ ؎

نوائے کہ آتش کند خاک را ؂ نوائے کہ واسوزد افلاک را

ہماری آواز میں اتنی حدت اور گرمی ہو کہ وہ مٹی کو جلا کر راکھ بنا دے اور اس میں اتنی تپش ہو کہ آسمان بھی جل اٹھے۔

اے مسلمان! اپنی حالت زار پر ایسی آہ و زاری کر کہ زمین و آسمان اس سے اثر قبول کریں۔ اور انھیں یہ یقین ہو جائے کہ تو اب اپنے مقام کو پانے کے لئے اٹھ کھڑا ہوا ہے۔ لیکن اس کے لئے ضروری ہے کہ تو اپنی آواز میں کچھ خصوصیات پیدا کر۔

نوائے کہ بے ساز تقدیر نیست ٭ نوائے کہ بے ضرب شبیرؑ نیست

اس کی آواز میں یہ خصوصیت ہو کہ وہ تقدیر کے مطابق ہو۔ اس میں حضرت شبیر علیہ السلام کی ضرب کاسا اثر ہو۔ اس کی تقدیر کے ساتھ ہم آہنگی نہیں۔ اس میں حضرت حسینؑ کی طرح بروقت ضرب کاری لگانے کی ہمت ہو۔ ۹

اگر بندہ این نوائے زند ٭ چو یزداں جہاں آفرینی کند

اگر انسان حضرت امام حسینؑ کی طرح پراثر آواز رکھتا ہو، تو پھر وہ دنیا میں اسیطرح حکمرانی کرسکتا ہے۔ جس طرح حضرت یزداں کرتا ہے۔ اقبال انسان کو خدا کے کاموں میں اس کا شریک نہیں گردانتے۔ بلکہ اسے یہ بتاتے ہیں کہ اسوہ شبیرؑ پر عمل پیرا ہونے سے دنیا میں اسی طرح سے عظمت حاصل ہو سکتی ہے۔ جیسی حضرت حسین علیہ السلام کو حاصل ہوئی۔

اقبال نے یہ اشعار روزنامہ انقلاب لاہور کے شبیرؑ نمبر کے لئے لکھے تھے اور مسلمانوں کو یہ سمجھایا تھا کہ اگر وہ دنیا میں باقی رہنا چاہتے ہیں تو انھیں حضرت امام حسینؑ کا اسوہ حسنہ پر چلنا چاہیئے۔ اگرچہ حضرت حسینؑ کو میدان کربلا میں ظاہری طور پر موت آگئی۔ لیکن ان کی یہ موت ابدی زندگی تھی۔ انھوں نے کربلا سے جو آواز مسلمانوں کو دی تھی، وہ آج تک چار دانگ عالم میں گونج رہی ہے اور مسلمانوں کو نصرت حسینؑ کے لئے بلا رہی ہے۔ نصرت حسینؑ یہی ہے کہ مسلمان حضرت حسینؑ کے اصولوں کو اپنائیں۔ کبھی باطل کے سامنے گھٹنے نہ ٹیکیں بلکہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اس سے نبرد آزما ہوں۔ اس طرح اگر انھیں وقتی طور پر شکست یا موت بھی آجائے تو کوئی حرج نہیں۔ وہ ہمیشہ ہمیشہ کی زندگی حاصل کر جائیں گے۔

اقبال سرگزشت آدم بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں :- ۹

کبھی میں قتل ہوا کربلا کے میداں میں ٭ کہی کسی ستم پر بھی آفریں میں نے

گویا سرگزشت آدم بیان کرتے وقت تاریخ آدم بغیر تذکرہ کربلا نامکمل رہ جاتی ہے۔ پھر زبور عجم میں مسلمانوں کو مخاطب کر کے انھیں اسوۂ شبیرؑ پر چلنے کے لئے ہدایت

کرتے ہوئے دعوت دیتے ہیں۔ ؎

ریگِ عراق منتظر، کشتِ حجاز تشنہ کام
خونِ حسینؓ باز دہ کوفہ و شام خویش را

عراق کی ریت انتظار میں ہے اور حجاز کی کھیتی پیاسی ہے۔ اپنے کوفہ و شام کو پھر خونِ حسینؓ دے۔ مسلمانوں کو دعوت پیکار دینے کی ہدایت کرتے ہوئے مشورہ دے رہے ہیں کہ وہ حضرت حسینؓ کے نقش قدم پر چلیں اور نفس امارہ کو زیر کر کے اپنے کوفہ و شام کو راہ راست پر لے آئیں۔ یعنی اپنے دل و دماغ سے نفسانی خواہشات کو نکال دیں۔ تاکہ سکونِ قلب اور فلاحِ اُخروی پائیں۔

پھر مسلمانوں کی بےحسی پر افسوس کرتے ہوئے جوش دلاتے ہیں۔ ؎

قافلۂ حجاز میں ایک حسینؓ بھی نہیں ؛ گرچہ ہے تابدار ابھی گیسوئے دجلہ و فرات

اقبال مسلمانوں کے زوال پر افسوس کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ کیا تمہارے قافلہ میں ایک بھی ایسا آدمی نہیں جو کہ حضرت امام حسینؓ کے نقش قدم پہ چل کر تمہارے قافلہ کو صداقت و حقانیت کی صراط پر چلائے۔ حالانکہ دجلہ و فرات اب تک تمہیں دعوتِ حق طلبی دے رہے ہیں۔

اگرچہ مسلمان حسینی تو کہلاتے ہیں لیکن حضرت امام حسینؓ کے نقش قدم پر چل کر دنیا کسمپرسی کا حل نہیں سوچتے۔ وہ حل یہی ہے کہ وہ بھی حق کے لئے باطل سے نبرد آزما ہو کر اس کے پنجہ استبداد کو توڑ دیں۔ صرف زبانی مسلمان کہلوانا اور حسینی بننے کا دعویٰ کرنا بےمعنی ہے۔ جب تک کہ اسوۂ حسینی پر پوری طرح عمل نہ ہو۔ اور ایک مسلمان کے اوصاف و خصائل نہ اپنائے جائیں۔ جو کہ اقبال کے خیال میں یہ ہیں۔ ؎

غفاری و قہاری و قدوسی و جبروت ؛ یہ چار عناصر ہوں تو بنتا ہے مسلمان

اقبال ہندوستان کے ایک سچے مسلمان کا نمونہ پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ ؎

از نگاہِ خواجۂ بدر و حنین ؛ فقر سلطاں وارثِ جذبِ حسینؓ

سلطان فتح علی ٹیپو والی میسور کے عزم و ہمت کی داد دیتے ہیں اور مسلمانوں کو غیرت

دلاتے ہیں کہ سلطان ٹیپو حضرت شبیرؑ کے مسلک پر محض اس لئے چل سکے کہ انھوں نے حضرت محمد مصطفیٰؐ سے کسبِ فیض کر کے حضرت حسینؑ کی سنت پر عمل کیا۔ اقبال کا خیال ہے کہ اگر مسلمان سنتِ رسولؐ پر گامزن ہوں تو ان میں بھی وہ قوت و توانائی آسکتی ہے، جو سلطان ٹیپو میں تھی۔ اور وہ بھی سلطان ٹیپو کی طرح راہِ حق میں جان دے کر بامراد و کامران ہو سکتے ہیں۔

اقبال حضرت امام حسین علیہ السلام سے اپنی والہانہ محبت و عقیدت کا یوں اظہار کرتے ہیں ؎

جس طرح مجھ کو شہیدِ کربلا سے پیار ہے ؎ حق تعالیٰ کو یتیموں کی دعا سے پیار ہے

جسطرح اقبال حضرت امام حسینؑ سے اپنی والہانہ الفت و محبت اور پیار رکھتے ہیں۔ اُسی طرح اللہ تعالیٰ یتیموں کی دعا سے پیار رکھتا ہے اور ان کی دعاؤں کو شرفِ قبولیت بخشتا ہے۔

مندرجہ بالا اشعار یہ ظاہر کرتے ہیں کہ اقبال بارگاہِ سیدالشہداء سے کتنی محبت و الفت رکھتے تھے۔

اقبال حضرت حسین علیہ السلام کی حیاتِ طیبہ کو زندگی کی معراج تصور کرتے ہیں اور دشتِ کربلا میں جو درس حضرت حسینؑ نے دیا اُسے قیامت تک کے لئے مردانِ حق کے واسطے مشعلِ راہ خیال کرتے ہیں۔ امامِ عالی مقام کی ذات ستودہ صفات سے انھیں بے پناہ محبت ہے اور وہ انھیں اپنا سچا پیشوا اور رہبرِ کامل خیال کرتے ہیں۔

اقبال حضرت امام حسینؑ کو حق کا علمبردار خیال کرتے ہیں اور ان کے مقابل کو باطل کا پرستار۔ جب باطل ظلم و جور، مکر و زور، چالاکی، عیاری اور ریاکاری کے ہتھیاروں کے نشے میں حق کے ساتھ نبرد آزما ہوا، تو حضرت حسینؑ نے رحم و کرم، حق گوئی، دینا کی عزم و یقین، صبر و استقلال اور جذبہ حریت کے ساتھ باطل سے پنجہ آزمائی کی جس میں آخری اور حقیقی فتح حق پرست امام حسین علیہ السلام کی ہوئی۔

اقبال حضرت امام حسینؑ کو ایک بہادر۔ اللہ والا، حق گو، سخی۔ بات کا دھنی، اصول پسند۔ صابر۔ شاکر۔ ایثار پیشہ۔ بے حد شریف۔ بے پناہ عزم و استقلال کا مالک

للّٰہیت کا جیتا جاگتا نمونہ۔ ایک بہت بڑا انقلابی رہنما۔ حریت کا علمبردار۔ فخرِ آدمؑ سرِ ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ۔ حضرت ختمی مرتبتؐ کا سپوت۔ دیدۂ زہرؑا کا نور۔ قلبِ حیدرؑ کا چین اور سب سے بڑھ کر انسانیت کا ہیرو خیال کرتے ہیں۔

جو خاص اللہ کی رضا کے لئے مسجد بناتا ہے حق تعالیٰ اس کے لئے جنت میں گھر بناتا ہے

خوشخبری:-

للہ الحمد کہ دو سال کی مسلسل تگ و دو کے بعد انجمن اپنے ایک اہم فرض کو انجام دینے میں کامیاب ہو گئی۔ زیرِ تعمیر مسجد کی عمارت جو بغیر چھت کے تھی تقریباً ۴½ ہزار روپیہ کی لاگت سے مکمل ہو گئی۔ اس طرح مین بلڈنگ جو ۴۰ × ۳۰ پر مشتمل ہے قابلِ استعمال ہو گئی ہے۔ ہال میں تقریباً دو سو نمازیوں کے لئے بیک وقت نماز ادا کرنے کی گنجائش ہے۔

یہ کام حقیقتاً انجمن کے محدود وسائل کی نسبت بہت زیادہ تھا۔ یہ تمام کام مومنین کے تعاون سے پایۂ تکمیل کو پہنچا۔ خداوندِ عالم اُن کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

جن مقامی حضرات نے تعمیرِ مسجد کے سلسلہ میں حصّہ لیا ہے، ہم انجمن کی طرف سے اُن کا خصوصی شکریہ ادا کرتے ہیں اور ان کے حق میں دعاگو ہیں۔ نام حسبِ ذیل ہیں۔

- سید منظور حسین شاہ صاحب
- والدہ ڈاکٹر سید محمد سلطین شاہ صاحب
- ڈاکٹر سید محمد سلطین صاحب
- ہمشیرہ سید محمد حسنین شاہ صاحب
- مولوی غلام علی صاحب
- سید شفقت کرار حیدر صاحب
- سید نجم الحسن شاہ صاحب
- سید اصغر علی شاہ صاحب
- سید نصیر الحسن شاہ صاحب
- سید انیس الحسن شاہ صاحب

ابھی تعمیر کا کافی باقی ہے۔ اس بقایا کام پر پندرہ ہزار روپیہ کی لاگت کا اندازہ ہے۔ مقامی طور اتنی کثیر رقم کا فراہم ہونا انتہائی مشکل ہے۔

اس لئے ہم اپنے کرم فرما حضرات سے دوبارہ اپیل کرتے ہیں کہ وہ انجمن کی مزید امداد کریں گے اور اس کارِ خیر میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لیں گے۔ ہمیں امید ہے کہ انجمن کے کرم فرما حضرات انجمن کو اپنے تعاون سے محروم نہ رکھیں گے۔ بلکہ اپنے بھرپور تعاون سے انجمن کو ممنون فرمائیں گے۔

اِمامِ دَوراں
حضرت مہدیٔ ہادی صَاحبُ العصرِ وَالزّمَاںؑ کے
حُضُور

آج ایک بار پھر یہ کرۂ ارضی سیماب کی طرح لرزہ براندام ہے۔ دنیا میں کوئی ایک حصہ بھی بطور مثال پیش نہیں کیا جاسکتا، جہاں سکون ہو، امن ہو، فارغ البالی ہو یا اطمینان کی فضا پائی جاتی ہو۔ ساکنانِ ارضی دعوے تو بڑے بلند کرتے ہیں۔ انسان کی بہتری کے لئے اصول وقوانین تو بڑے سوچ سمجھ کر اچھے اور جامع بناتے ہیں۔ لیکن عمل کے میدان میں اصول نہ اتنا میں تبدیل ہو کر ناکام رہ جاتے ہیں۔ یہ قانونِ قدرت ہے۔ آج سے نہیں، چند سال سے نہیں دو چار صدیوں سے نہیں بلکہ ازل سے ہے اور ابد تک قائم رہے گا کہ جب بھی اس کرہ خاکی کی حالت اس قدر دگرگوں ہو جائے۔ جب بھی اس خطّہ کے لوگ اتنے نااہل ہو جائیں کہ وہ اپنے گھر کو نہ سنبھال سکیں تو قدرت اپنے بندوں کے اطمینان کے لئے ان کو امن وامان کی نعمت سے بارو کرنے کے لئے، ان کی ہدایت کی خاطر انہیں سکونِ قلب اور جادۂ حق عطا کرنے کی غرض سے کوئی ایسی ہستی بھیجتی ہے جس کا پرامن وجود چند سال کے قلیل عرصہ میں دنیا کو ایک دائمی امن و سکون کا راستہ دکھاتی ہے۔ جو لوگ ایسی برگزیدہ ہستیوں کی ہدایت پر عمل کرتے ہیں۔ وہ دنیا و آخرت دونوں میں سرفراز اور کامیاب ہو جاتے ہیں۔ اور جو ان پر عمل نہیں کرتے و ہر دو جہان میں خائن وخاسر و نامراد رہتے ہیں۔

خدائے وحدہ لاشریک نے اپنے بندوں کی حالتِ زار پر رحم کرتے ہوئے ان کی ہدایت کے خاطر شدہ تقریبًا ایک لاکھ چوبیس ہزار ایسے نفوس بھیجے، جن میں سے ہر ایک نے اپنے زمانہ کے لوگوں کو صراطِ مستقیم کی رہنمائی کی۔ جو لوگ ان کے پیروکار ہو گئے و فلاح پا گئے اور جو ان کی مخالفت کرتے رہے، وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے لعین قرار دئیے گئے۔ اللہ تعالیٰ کے ان چنے ہوئے بندوں میں سب سے آخر ہمارے لئے پیغمبرِ اکرمؐ جو کہ وجہ تخلیق

کائنات ، رحمۃ للعالمین سید المرسلین رمز شناس فطرت تھے، مبعوث بہ رسالت ہوئے۔ حضور محمد مصطفےٰ ختمی مرتبت پیغمبر تھے۔ ان کے سر پہ خاتم النبئین کا تاج ہے۔ ان کا دین قیامت تک کے لئے مکمل ضابطہ حیات ہے۔ آپ کی حیات طیبہ میں زندگی گذارنے کے لئے ہر قسم کی امثلہ قیامت تک کے بدلنے والے حالات کے باوجود موجود ہیں۔

ہر پیغمبر کے بعد اس کے کچھ وصی اور نائب دنیا میں آتے رہے جو کہ نبی کے پیش کردہ اصولوں پر لوگوں کو کاربند کرنے کی سعی فرماتے رہے۔ یہ راہنما پیغمبر نہ تھے۔ لیکن ان کے بھیجنے کا کام خدا نے اپنے ذمہ رکھا۔ اسی طرح پیغمبر اسلام کے دین کی حفاظت و تشریح کے خاطر جہاں رسول اکرم قرآن مجید جیسی مکمل اور مبسوط کتاب لائے جو کہ قیامت تک کے لئے کافی ہے۔ وہاں اس قرآن صامت کے ساتھ ساتھ اس کی وضاحت و تفسیر کے لئے کچھ ایسی ہستیاں بھی بھیجیں جو کہ قرآن ناطق کا درجہ رکھتی ہیں۔ ان مقدس ہستیوں نے اپنے اپنے زمانہ میں ثابت کردیا کہ وہ اگرچہ پیغمبر نہیں ہیں، لیکن پیغمبروں کے مددگار ضرور ہیں۔ چونکہ رسول عربی کا دین قیامت تک کے لئے ہے، اس لئے اس کی حفاظت کا بندوبست بھی قیامت تک کے لئے کیا گیا۔ نائبین رسول میں سے آخری برگزیدہ ہستی قائم آل محمد صاحب العصر ہیں، جن کا وجود ذیجود وقت معلوم تک کے لئے عام لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ رکھ کر لوگوں کی ہدایت کا سامان کیا گیا ہے۔

یہ فطرت انسانی ہے کہ جب بھی انسان پر کوئی مصیبت آتی ہے تو وہ کسی غیبی امداد کا منتظر ہوتا ہے، وہ اس بات کی توقع اور امید رکھتا ہے کہ خداوند عالم اس کو اس مصیبت سے نجات کے لئے کوئی ایسی غیبی مدد بھیجے گا جو اس کو اس دکھ سے نجات دلائے گی۔ یہ توقع اور امید عام لوگوں کو ہی نہیں ہوتی بلکہ بڑے بڑے پیغمبروں، مفکروں اور صاحب اختیار لوگوں کو بھی ہوتی ہے۔ اگر تاریخ عالم کا بنظر عمیق مطالعہ کیا جائے تو ایسے شواہد ملتے ہیں کہ ہر زمانے اور ہر قرن میں کسی مقتدر ہستی اور نجات دہندہ کی لوگوں کو توقع رہی۔ ہر زمانہ کے لوگوں کے نزدیک دنیا میں کسی نہ کسی ہستی کا وجود ذیجود رہا، جو اس زمانہ کے لوگوں سے زیادہ صاحب اختیار، زیادہ معاملہ فہم، زیادہ جامع اور حلال مشکلات ہستی ہوتی ہے۔ اور جس میں

یہ طاقت ہوتی ہے کہ اپنے زمانہ کے ہر دکھی انسان کے دکھوں کا مداوا کر سکتی ہے حتیٰ کہ خدا کے چُنے ہوئے پیغمبر و مرسل بھی کسی مرد مشکلکشا کی مدد کے طالب رہے۔

پاک و ہند کی تاریخ بھی اس بات کی نشاندہی کرتی ہے کہ اس برصغیر کے لوگوں کو بھی کسی مرد کی انتظار رہی۔ اس ہستی کے منتظر صرف عامی ہی نہیں بلکہ بڑے بڑے کشور کشا۔ مدبر، مفکر سیاست دان اور شاعر بھی رہے۔ مولانا حسرت حسن حسرت جیسا مفکر زمانہ۔ ماہر سیاست بیباک مقرر اور ہر دلعزیز آدمی بھی کبھی یوسف کے دوبارہ آنے اور ہندوستان کو کسمپرسی سے نجات دلانے کی امید میں رہتا ہے اور کبھی کسی اور ہستی کا منتظر نظر آتا ہے جو پردہ سے جلوہ آرا ہو کر لوگوں کی بے چینی اور دکھوں کو دور کر دے۔

چونکہ علامہ اقبال خالص مذہبی اسلامی قوانین کے پیرو تھے۔ ان کا اس بات پر پختہ ایمان تھا کہ اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے۔ جامع اور مانع دین ہے۔ جس کے پاس ہر زمانہ کے لئے مکمل ضابطہ حیات ہے، جس کے بغیر انسان نجات نہیں پا سکتا۔ اس لئے علامہ بھی مشکل اوقات میں اسلام کے مقرر کردہ موجودہ زمانہ کے مشکلکشا کی آمد کا شدت سے انتظار کرتے ہیں۔ اقبال بقرار ہیں کہ امام زمانہ جلد تشریف لائیں اور لوگوں کو صبر و قرار عطا کریں تاکہ دنیا سے بے قراری اور ہیجان ختم ہو جائے اور انسانیت صحیح مقام و مرتبہ حاصل کر کے امن و سکون اور فارغ البالی سے گزران کر سکے۔

اقبال کے کلام میں امام دوراں مہدی منتظر صاحب العصرؑ و الزمان کے متعلق لاتعداد اشعار موجود ہیں، جن سے وہ اپنی ذہنی اور ایمانی ترجمانی کرتے ہوئے بڑے بیقرار ہیں کہ جلد دنیا کی یہ نگہبان ہستی پردۂ غیب سے جلوہ فگن ہو کر اپنے دیدار ایمان افروز سے سرفراز کرتے ہوئے اس جہان سے ظلم و جور، بغض و عناد، ذاتی مفاد، بے انصافی اور انتشار کو دور کر کے دنیا کو امن و سکون سے بھر دیں۔

علامہ صاحب العصرؑ کے لئے بڑے بے قرار نظر آتے ہیں۔ اُن کے کلام کا ہر ایک لفظ بیتابی کا اظہار کرتا ہے۔ مندرجہ ذیل اشعار میں دیکھیں کہ اقبال کتنی بےچینی سے آپ کے منتظر ہیں اور ان کے متعلق کیا ایمان رکھتے ہیں۔

شعر کی تشریح مجھ ہیچمداں کے لئے انتہائی مشکل امر ہے اور پھر اقبال کے اشعار تو عام شعراء کی نسبت ان کے اپنے الفاظ میں ہی لذت دیتے ہیں۔ تاہم ترجمہ کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ اقبال کا نظریہ قارئین معمولی توجہ سے خود معلوم کر سکتے ہیں کہ اقبال امام دوراں کے ظہور کے لئے کس درجہ متمنی تھے۔ ان کے ساتھ والہانہ عقیدت رکھتے تھے۔ اُن کا ایمان و ایقان مہدی آخر الزمان کے متعلق شیعہ مکتب خیال پر کتنا راسخ ہے اور وہ ختمی مرتبت کی حدیث کہ :- " وہ (امام مہدی) زمین کو عدل و انصاف سے اس طرح پُر کر دے گا، جیسے وہ ظلم و جور سے بھری ہوگی" کس قدر مطمئن ہیں۔ یہ اشعار سنئیے:-

(۱) مشتِ خاکِ ما سرِ گردوں رسید ؎ زیں غبارِ آں شہسوار آید پدید

ہماری مشتِ خاک آسمان پر پہنچ گئی۔ اسی غبار سے وہ شہسوارِ دوراں ظاہر ہوگا۔ "پدید آمدن" اُس شے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے جو پہلے سے موجود ہو لیکن عام نظروں سے پوشیدہ ہو۔ اقبال نے یہ مصدر استعمال کر کے اپنا عقیدہ ظاہر کر دیا کہ شہسوارِ عصر موجود ہے، صرف ظاہر ہونا باقی ہے۔ اور جب ہماری آہیں اور آرزوئیں زیرِ آسمان مجتمع ہو کر دادرسی کی طالب ہوں گی، تو پھر وہ ظاہر ہو کر ہمارے دکھوں کا علاج کریں گے۔

(۲) خفتہ در خاکسترِ امروزِ ما ؎ شعلۂ فردائے عالم سوزِ ما

وہ شعلہ ہماری آج کی خاکستر میں نہاں ہے اور وہ ہمارا عالم سوز شعلہ ہے۔ امروز اور فردا کے الفاظ کا استعمال خاص نکتہ کی نشان دہی کرتا ہے۔ جس کو اگلے شعر میں یوں کھولا گیا ہے:- ؎

(۳) غنچۂ ما گلستاں در دامن است ؎ چشمِ ما از صبحِ فردا روشن است۔

ہمارا غنچہ اپنے دامن میں ایک باغ لئے ہوئے ہے اور ہماری آنکھ آنے والے کل کی صبح کی وجہ سے روشن ہے۔ یعنی ہم آپ کے انتظار میں ایک روشن مستقبل کی پوری پوری توقع لئے ہوئے ہیں کہ آپ تشریف لا کر ہمارے حالات کو ٹھیک کر دیں گے۔

(۴) اے سوارِ اشہبِ دوراں بیا ؎ اے فروغِ دیدۂ امکاں بیا

اے راکبِ مرکبِ عصر اور اے ایمان کی آنکھ کے نورِ بصر جلد آ۔ یہ شعر واضح کرتا ہے

کہ امام عصر موجود ہیں۔ البتہ ہماری نظروں سے غائب ہیں۔ اقبال انھیں زمانے میں صاحب اختیار اور حکمران خیال کرتے ہیں اور یہ ایمان رکھتے ہیں کہ ان ہی کی وجہ سے دنیا میں ایمان باقی ہے۔

(۵) رونقِ ہنگامۂ ایجاد شو ؛ در سوادِ دیدہ ہا آباد شو

دنیا کے شور و غل کی رونق ہو جا۔ اور ہماری آنکھ کی سیاہ پتلی میں آباد ہو جا۔ اقبال فرماتے ہیں کہ اے امام زمانہ جلد تشریف لا۔ اور زمانہ کی ہاؤ ہُو ظلم و استبداد اور شور و غل کو ختم کر کے اسے ایک نئی رونق عطا فرما۔ ہم اہلِ جہاں تیرے لئے دیدہ و دل فرشِ راہ کئے ہوئے ہیں۔ ہم دنیا کے حالات سے بڑے تنگ ہیں اور گردشِ دوراں کی موجود روش سے نالاں ہیں۔ آپ کے آنے کا اب نہایت ہی موزوں وقت ہے۔

(۶) شورشِ اقوام را خاموش کن ؛ نغمۂ خود را بہشتِ گوش کن

قوموں کی شورش کو خاموش کریں اور انھیں آکر اخوت کا نغمہ سنائیں۔ یعنی اقوامِ عالم میں بعض قومیں جو کہ مدت مدید سے برسرِ اقتدار تھیں وہ مٹ رہی ہیں اور ان کی جگہ دوسری قومیں ابھر رہی ہیں۔ جو قومیں مٹ رہی ہیں، ان میں نااہلی سستی، کم ہمتی اور کم مائیگی پیدا ہو چکی ہے اور ان کے مقابلے میں نئی ابھرنے والی اقوام کے پاس زندگی کی خو پیدا کرنے کے لئے کوئی مکمل اور جامع ضابطہ اخلاق نہیں ہے اس لئے آپ جلد تشریف لا کر جہان کو مکمل ضابطۂ حیات یعنی قرآن مجید پر عمل پیرا ہونے کی تلقین کریں اور اس دنیا کو جنت بنا دیں۔

(۷) خیز و قانونِ اخوت ساز دہ ؛ جامِ صہبائے محبت باز دہ

اٹھیں اور قانونِ اخوت کو سنواریں۔ شرابِ محبت کا جام بھر دیں۔ اقبال امام دوراں سے عرض کرتے ہیں کہ پردۂ غیبت سے باہر تشریف لائیں اور لوگوں کو اخوت و بھائی چارے کا سبق دیں۔ کیونکہ اب ان میں کبر و نخوت اور بغض و عناد بھرا ہوا ہے۔ صرف آپ کی ہی ایک ایسی ہستی ہے، جو آکر لوگوں کے دلوں کو جوڑ سکتی ہے۔ کہ وہ ایک دوسرے کو بھائی سمجھیں۔ نفسا نفسی اور ذاتی لالچ کو چھوڑ کر پھر سے ایک رشتے میں منسلک ہو جائیں

وَاعۡتَصِمُوۡا بِحَبۡلِ اللّٰہِ جَمِیۡعًا پر عمل پیرا ہو جائیں تاکہ یہ دنیا جائے امن بن جائے۔

(۸) باز در عالم بیار ایام صلح ؎ جنگجویاں را بدہ پیغام صلح

دوبارہ دنیا میں صلح و آشتی کے دن واپس لاویں۔ اور جنگجو لوگوں کو صلح کا پیغام دیں۔ علامہ کرہ ارض پر انسان کی انسان سے جنگ سے تنگ آکر صاحب العصر والزمان کے حضور گڑگڑا کر عرض کرتے ہیں کہ آپ جلد تشریف لائیں۔ اور دنیا میں دوبارہ صلح و آشتی اور امن و سکون کی فضا پیدا کریں۔ کیونکہ جنگجو لوگوں نے امن پسند انسانوں کا ناک میں دم کر رکھا ہے۔

(۹) نوع انساں مزرع تو حاصلے ؎ کاروان زندگی را منزلے

بنی نوع انسان کھیتی ہیں اور آپ اس کا حاصل۔ گویا آپ زندگی کے قافلے کی منزل مقصود ہیں۔ آپ کی رہنمائی کے بغیر ہمارے قافلے کو نشانِ منزل نہیں مل سکتا صرف آپ کے دم قدم سے انسان کامیاب زندگی گزار سکتا ہے۔

(۱۰) ریخت از جور خزاں برگ شجر ؎ چو بہاراں بر ریاض ما گذر

خزاں کے ظلم سے ہماری زندگی کے برگ و بار جھڑ گئے ہیں۔ آپ ہماری زندگی کے باغ میں بہار کی طرح تشریف لائیں۔ زمانہ کے حادثات میں کوتاہ اندیش لوگوں کی ناعاقبت اندیشیوں نے ہمارے چمن کو تباہ و برباد کر دیا ہے۔ آپ تشریف لائیں تاکہ ہماری زندگی کے باغ میں دوبارہ چمن پیدا ہو جائے۔

(۱۱) سجدہ ہائے طفلک و برنا و پیر ؎ از جبین شرمسارِ ما بگیر

بچوں، جوانوں اور بوڑھوں کے سجدے جو اگرچہ بطور عبادت کئے جاتے ہیں وہ بے روح ہیں۔ اور اس پر مستزاد یہ کہ ہم اپنے آپ کو آپ کا پیروکار ظاہر کرتے ہیں۔ آپ جیسی ہستی کے پیروکار ہونے کے باوجود ہماری عبادت ریا سے پُر ہے۔ اس پر ہم خود نادم ہیں۔ اقبال فرماتے ہیں کہ صاحب العصرؑ ہم آپ کے پیروکار ہو کر اپنے

پاس اول تو کوئی عبادت کا تحفظ رکھتے ہی نہیں اور جو کچھ ہے بھی وہ سراسر ریا سے ملوث ہے۔ تاہم ہم اس پر نادم ہیں کہ ہم کیوں غافل ہیں۔

(۱۲) از وجودِ تو سرافرازیم ما ٭ پس بہ سوزِ ایں جہاں سوزیم ما

ہم آپ کے وجود کی برکت سے سرافراز ہیں۔ اسی لئے ہم زمانہ کے سوز میں جلتے ہیں۔ اقبال امام صاحبُ العصر کو مخاطب کر کے عرض کرتے ہیں کہ ہم دنیا کو یہ بتا سکتے ہیں کہ آپ کا وجود ذیجُود دنیا کی نجات کے لئے موجود ہے اور یہ کہ آپ ہی اس کرہُ خاکی کو نجات دلا سکتے ہیں، اس لئے ہم سرافراز ہیں۔ سوائے غلامانِ محمدؐ و آلِ محمدؐ کے کوئی اور قوم ایسی نہیں جو دنیا کے سامنے کوئی ایسی ہستی اور شخصیت پیش کر سکے، جو مثالی اور نجات دہندہ ہو۔

اقبال ایک اور جگہ مہدیؑ منتظر نے آخری جانشین نبی آخرالزماںؐ کے صفات کو بیان کرتے ہوئے، اُن کی صرف نماز کی عظمت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ ؎

(۱) جلالِ کبریائی در قیامش ٭ جمالِ زندگی اندر سجودش

اللہ کے حضور عبادت میں قیام کی حالت میں کھڑا ہونے سے آپ میں سے اللہ تعؐ کا جلال ظاہر ہوتا ہے۔ جب آپ سجدہ کرتے ہیں تو آپ کے سجدہ سے بندگی کا جمال ظاہر ہوتا ہے۔ گویا آپ کا قیام و سجود اللہ تعالیٰ کی دو صفات کو ظاہر کرتا ہے کہ جب آپ جیسا صاحب اختیار آدمی جس کے سامنے قیام و سجود کرتا ہے، وہ ذات والا صفات کتنی ارفع و اعلیٰ ہو گی۔

(۲) چہ پُرسی از نمازِ عاشقانہ ٭ کہ عشق چون سجودش محرمانہ

علمؔا کا فیصلہ ہے کہ جب کوئی عابد خدا کے حضور سجدہ میں جاتا ہے تو اُسے خدا کا عین قرب حاصل ہو جاتا ہے۔ اس طرح تمام نماز میں سجدہ افضل ہوا۔ لیکن اقبال کہتے ہیں کہ اے مخاطب تو صاحب دوران کی عاشقانہ نماز کا کیا حال پوچھتا ہے۔ اس

کے رکوع کو وہ عظمت و عزت حاصل ہوتی ہے جو ایک عامی کو سجدہ کی حالت میں حاصل ہو سکتی ہے۔ یعنی امام مہدی رکوع میں بھی وہ رازہائے محرمانہ کو جانتے ہیں اور خدا سے عین قرب حاصل کئے ہوئے ہوتے ہیں۔ ان کا رکوع اتنا بلند درجہ کا ہے، جتنا کسی اور عابد کا سجدہ عابد خواہ نبی ہو یا امتی۔

(۳) تب و تابِ یکے اللہ اکبر ؛ نہ گنجد در نمازِ پنجگانہ

اس کی ایک اللہ اکبر کا مقابلہ نمازِ پنجگانہ نہیں کر سکتی۔ جب وہ اللہ کے حضور کھڑے ہو کر صرف ایک بار اللہ اکبر کہتے ہیں تو اس ایک بار اللہ اکبر کہنے میں وہ عظمت اور رفعت قبولیت ہوتی ہے جس کا مقابلہ متقیوں کی پنجگانہ نماز نہیں کر سکتی۔ یقیناً جس ہستی کے صرف اللہ اکبر کہنے کی اتنی عظمت ہو، وہی ہستی صاحب العصر اور ہادیِ دوراں ہو سکتی ہے۔ یہ شعر صاف واضح کرتا ہے کہ اقبالؔ امام منتظر کے متعلق کیا ایمان رکھتے تھے۔

(۴) دو گیتی را صلہ از قراءت اوست ؛ مسلماں لایموت از رکعت اوست

(۵) ندارد گشتۂ ایں عصرِ بے سوز ؛ قیامت ہا کہ در قد قامت اوست

جہان کو یہ صلائے عام ہے کہ اس کی قرأت کا اگر کوئی مقابلہ کر سکتا ہے تو کرے۔ اس قرأت کی خوبی یہ ہے کہ مسلمان محض اس کی قرأت کے صدقے میں زندہ و باقی ہے۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ امام منتظر ظاہر کیوں نہیں ہوتے وہ پردہ غیب میں رہ کر ہمیں کیا مدد دے سکتے ہیں وہ اقبال سے پوچھیں کہ امامِ دوراں کے غائب رہنے سے بھی مسلمانوں کو کیا فائدہ پہنچ رہا ہے۔ اگر مسلمانانِ عالم پر ان کا دستِ غیب نہ ہو تو اقبالؔ کہتے ہیں کہ مسلمان مٹ جائیں۔

پھر اگلے شعر میں علامہ لوگوں کے خیالِ باطل کی تردید کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس بے سوز زمانہ کا مارا ہوا مسلمان نہیں جانتا کہ امام منتظر کی قد قامت الصلوٰۃ میں کونسی بجلیاں چھپی ہوئی ہیں۔ جب آپ پردۂ غیب میں رہ کر نماز کے لئے کھڑے ہوتے

ہوئے قَدْ قَامَتِ الصَّلوٰۃ کہتے ہیں تو دشمنانِ اسلام کو اس سے بےحد نقصان پہنچتا ہے۔

اقبالؔ نے صاحب العصرؑ کے متعلق مندرجہ بالا اشعار میں اپنا ایمان پیش کر کے مسلمانوں کے لئے لمحۂ فکریہ پیدا کر دیا ہے کہ اگر وہ اقبالؔ کو اپنا قومی اور ملّی شاعر کہتے ہیں تو پھر انھیں اپنے حکیم ملّت کے جذبات و افکار سے فائدہ اُٹھانا چاہیئے۔ اور اس کی پیروی کرتے ہوئے امام عصرؑ کے پردۂ غیب میں رہنے پر مکمل ایمان رکھنا چاہیئے۔ اور ان کی غیبت سے جو متمتع ہو رہے ہیں اُس کا احسانمند ہونا چاہیئے۔

بعض کم فہم لوگ یہ کہتے ہیں کہ امام مہدی علیہ السلام پوشیدہ نہیں ہیں۔ یہ لوگ ان کے قربِ قیامت آنے کے منکر ہیں۔ بعض دوسرے لوگ ان کے قیامت سے پہلے ظاہر ہونے اور دنیا کو عدل و داد سے بھر دینے کے اقراری تو ہیں۔ لیکن ان کے پیدا ہونے کے انتظار میں ہیں۔ یہی عقیدہ باطل ہے جس کی وجہ سے دنیا میں بہت سے لوگوں نے امام مہدی ہونے کا دعویٰ کیا۔ حالانکہ وہ دعویدار امام مہدیؑ کی صفات میں سے کسی ایک صفت کے بھی حامل نہیں ہوئے۔ اقبالؔ کا عقیدہ بالکل رسولِ اکرمؐ کی حدیث کے عین مطابق ہے۔ وہ حضرت امام مہدی علیہ السلام کے پردۂ غیبت میں رہنے پر ایمان کامل رکھتے ہیں اسی لئے تو وہ کبھی کہتے ہیں کہ۔ ؎

کبھی اے حقیقتِ منتظر، نظر آ لباسِ مجاز میں
کہ ہزار سجدے تڑپ رہے ہیں مری اک جبینِ نیاز میں

اور کبھی فرماتے ہیں۔ ؎

ترستی ہے نگاہِ نارسا جس کے نظارے کو
وہ رونق انجمن کی ہے انھیں خلوت گزینوں میں

اور کبھی یوں خواہش کرتے ہیں۔ ؎

پردہ چہرے سے اُٹھا انجمن آرائی کر
چشمِ مہر و ماہ و انجم کو تماشائی کر

تو جو تجلی ہے تو یہ چشمک پنہاں کب تک ؛ بے حجابانہ مرے دل سے شناسائی کر

پھر کبھی علامہ اپنی تمام امیدوں کا سہارا امام دوراں کو پاتے ہوئے مسلمانوں کو تلقین کرتے ہیں۔ ؎

تھا جواب صاحب سینا کو مسلم ہے اگر ؛ چھوڑ کر غائب کو تو حاضر کا شیدائی نہ بن
اگر دیوانہ غائب ہے تو کچھ پروا نہ کر ؛ منتظرہ وادی فاراں میں ہو کر خیمہ زن
عارضی ہے شان حاضر سطوت غائب مدام ؛ اس صداقت کو محبت سے ہے ربط جان و تن

ذرا غور کریں کہ ان اشعار میں علامہ مسلمانوں کو کیا کیا نصائح کرتے ہیں اور زمانہ کی ہاؤ ہو۔ مغرب کی ظاہریت کو کتنا عارضی اور عامی بناتے ہیں اور اصل صداقت کی تلقین کرتے ہیں۔ جو لوگ امام مہدی آخر الزماں کے وجود ذیجود کے منکر ہیں۔ اقبال انھیں سمجھاتے ہیں کہ۔ ؎

قوموں کی حیات ان کے تخیل پہ ہے موقوف ؛ یہ ذوق سکھاتا ہے ادب مرغ چمن کو
مجذوب فرنگی نے بہ انداز فرنگی ؛ مہدی کے تخیل سے کیا زندہ وطن کو
اے وہ کہ تو مہدی کے تخیل سے ہے بیزار ؛ نومید نہ کر آہوئے مشکیں سے ختن کو
ہو زندہ کفن پوش تو میت اسے سمجھیں ؛ یا چاک کریں مرد ک ناداں کے کفن کو

اقبال کے نزدیک دنیا کو ہر زمانہ میں امام مہدی کی ضرورت ہے اور جتنی ضرورت آج محسوس ہو رہی ہے شاید پہلے کبھی اتنی نہ تھی۔ یہ کرہ ارضی جسے ساکنان ارضی جنت فردوس بنانے کی سعی میں اس کو ظلم و بربریت اور وحشت و ہوسناکی کا گھر بنا رہے ہیں۔ ضروری ہے کہ کوئی مرد غیب سے پردہ چاک کر کے تشریف لائے اور آہوئے آوارہ کو ختن کا رستہ دکھائے بھٹکی ہوئی انسانیت اپنے خیال میں ترقی کی طرف کوشاں ہے مگر دراصل یہ حیوانیت کی طرف دوڑ رہی ہے۔ کیونکہ اسے انسانیت کے اصولوں سے واقفیت نہیں۔ لازم ہے کہ وہ مرد رہبر جلد تشریف لائیں اور انسانیت کے

اصول دنیا میں رائج کرے، اور کرہ زمین کو صبر و قرار، امن و آشتی سے ہمکنار کرے۔
اقبال کا خیال ملاحظہ ہو:۔ ؎

دنیا کو ہے اُس مہدی برحق کی ضرورت ؏ ہو جس کی نگاہ زلزلۂ عالم افکار

اقبال جب دنیا کی حالت زار اور ابتری سے گھبراتے ہیں تو امام منتظر کی تاخیر آمد سے اکتا جاتے ہیں تو دل کو یوں تسلی دیتے ہیں ۔ ؎

ترستی ہے نگاہ نارسا جس کے نظارے کو ؏ وہ رونق انجمن کی ہے انھیں خلوت گزینوں میں

پھر لوگوں کی حالت دیکھتے ہوئے اور ہر کسی کو اپنے منھ کو بناتے ہوئے خدا کی پرستش میں مصروف عبادت پاتے ہوئے بھی غمگین دیکھتے ہیں اور یہ ملاحظہ فرماتے ہیں کہ دنیا اگرچہ اپنے آپ کو ترقی کی آخری منزل میں سمجھی ہوئی ہے۔ لوگ اگرچہ بڑے متمدن بنے بیٹھے ہیں۔ اگرچہ ظاہرہ طور پر زمانے نے بڑی ترقی کرلی ہے۔ طرح طرح کے خیالات کو دلائل سے صحیح ثابت کرنے پر قسم کھائے بیٹھے ہیں۔ لیکن وہ حقیقت سے کوسوں دور ہیں۔ جب ان کے سامنے امام منتظر، ناجئی دوراں اور رہبر زمانہ کا تخیل پیش کرتے ہیں تو لوگ ان سے لاتعداد سوال کرتے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ بھلا اتنی لمبی عمر کوئی زندہ رہ سکتا ہے۔ کیا پردۂ غیب میں رہنے کا کوئی فائدہ ہو سکتا ہے۔ تو اقبال ان کو تسلی دیتے ہوئے فرماتے ہیں ۔ ؎

زمانہ آیا ہے بے حجابی کا، عام دیدار یار ہوگا۔
سکوت تھا پردہ دار جس کا، وہ راز اب آشکار ہوگا
گذر گیا اب وہ دور ساقی کہ چھپ کے پیتے تھے پینے والے
بنے گا سارا جہاں مے خانہ ، ہر کوئی بادہ خوار ہوگا
سنا دیا گوش منتظر کو، حجاز کی خامشی نے آکر
جو عہد صحرائیوں سے باندھا گیا تھا پھر استوار ہوگا

نکل کے صحرا سے جس نے روما کی سلطنت کو الٹ دیا تھا

سنا ہے یہ قدسیوں سے میں نے وہ شیر پھر ہوشیار ہوگا

تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کرے گی

جو شاخ نازک پہ آشیانہ بنے گا، ناپائدار ہوگا

آشکار ہوگا، بادہ خوار ہوگا، ہوشیار ہوگا وغیرہ ردیف قافیہ یہ ظاہر کرتے ہیں کہ علامہ کو پوری طرح سے یقین ہے کہ امام زمانہ جلد تشریف لائیں گے۔ اپنے محبوں کو اپنی الفت ومحبت و دیدار سے سرفراز کریں گے اور ان کے دشمن اور مخالف، خائن وخاسر و نا امید ہوں گے۔ یہ مستقبل میں ہوگا۔ آپ جب جلوۂ عام پر تشریف لائیں گے تو سلطنت روما اور اس کی حلیف حکومتوں کو تہس نہس کریں گے۔ اسلام کا بول بالا ہوگا اور کفر ونفاق کا منھ کالا ہوگا۔ امام علیہ السلام کا یہ بھی معجزہ ہوگا کہ ان کے ظہور کے وقت جتنے بھی مہلک ہتھیار ہوں گے وہ خود بخود ختم ہو جائیں گے۔ پھر علامہ فرماتے ہیں کہ یہ باتیں خود نہیں کہہ رہے ہیں بلکہ قدسیوں نے یہ باتیں آپ کو بتائی ہیں۔

زبور عجم میں اقبال بنی نوع انسان کو نصیحت کرتے ہیں۔

کسے کہ دید عالم را امام است ؎ من وتو ناتمامیم او تمام است

اگر او را نیابی در طلب خیز ؎ اگر یابی بدامانش در آویز

فقیہ و شیخ و ملا را بدہ دست ؎ مرد مانند ماہی غافل از شست

یعنی جس کسی نے بھی یہ سمجھ لیا کہ زمانے میں امام موجود ہیں۔ وہی آدمی کامل انسان بن گیا۔ اس کے مقابلہ میں باقی لوگ نامکمل انسان ہیں۔ اگر امام زمانہ کو نہ پایا تو اس کی تلاش میں نکل اور اگر تو اسے پالے تو اس کے دامن سے توسل کر۔ اے انسان زمانہ میں گھس بیٹھے فقیہوں، شیوخ اور ملاؤں کی بیعت نہ کر۔ تو ان کا پیروکار بن کر مچھلی کی طرح نامک ٹوئیاں مارتا رہے گا۔ ان سے تجھے کچھ نہیں ملے گا۔ یہ اگرچہ دین مبین کے ٹھیکیدار بنے بیٹھے ہیں

لیکن - ع - چہرہ روشن اندروں چنگیز سے تاریک تر۔

اقبال مسلمانوں کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میں تجھے درون پردہ کی بات بتاتا ہوں کہ جہاں چل چلاؤ کا نام ہے۔ اس دنیا میں کسی کو بقا حاصل نہیں۔ جس مرد میدان کے لوگ منتظر ہیں اُس کے آنے کا زمانہ قریب آگیا ہے۔ اگرچہ علوم وفنون سے دنیا کی آنکھیں خیرہ ہو رہی ہیں۔ مغرب کی چکا چوند ظاہری روشنی سے لوگ مغرب زدہ ہوتے جارہے ہیں اور ان کی ظاہری ٹیپ ٹاپ پر لوگ مر رہے ہیں۔ لیکن بقول حالی - ؎

صفائیاں ہو رہی ہیں جتنی دل اتنے ہی ہو رہے ہیں میلے
خدا نگہباں ہے قافلوں کا، اگر یہی رہزنی رہیگی

اگرچہ اس پُرآشوب زمانہ میں اسلامی اصولوں پر عمل پیرا ہونا ناممکن نظر آرہا ہے۔ لوگ اسلام کے اصولوں کو (نعوذ باللہ) دقیانوسی قوانین کہنے لگے ہیں اور اس پُرہول زمانہ میں کلمۃ الحق کہنا مشکل بلکہ ناممکن ہو گیا ہے۔ لیکن امام منتظر کو اللہ تعالیٰ نے یہ طاقت عطا کر رکھی ہے کہ جب وہ ظاہر ہوں گے زمانہ کی تمام پرآشوبی اور ٹیپ ٹاپ کو بیک قلم ختم کردیں گے۔ امام زمانہ کا یہ معجزہ ہوگا کہ مہلک سے مہلک ہتھیار اُن کے سامنے بے اثر ہو جائیں گے، راکٹ - میزائل، جیٹ، توپ، بندوق، ایٹم بم، ہائیڈروجن بم، اور آئندہ ایجاد ہونے والے تمام ہتھیار ناکارہ ہو کر رہ جائیں گے۔ امام علیہ السلام پھر سرکشان اسلام کو ذوالفقار حیدری سے رام کریں گے اور ظلم و تشدد سے معمور دنیا عدل و داد سے اسی طرح پُر کردیں گے جس طرح ظلم وجور سے بھری ہوئی ہوگی۔ تخفیف اسلحہ کی تمام تر کوششیں غالباً اسی لئے ناکام ہو رہی ہیں کہ وہ کام جو دنیا کے تمام سنجیدہ، عالی دماغ مفکر اور ہمدرد انسانیت لوگ سرانجام نہ دے سکیں گے۔ وہ امام علیہ السلام کے ظاہر ہوتے ہی خود بخود پورے ہو جائیں گے۔

امام جہاں تبلیغ مصطفوی کے انداز کو اپنائیں گے، وہاں حسب ضرورت نشتر حیدری

سے جراحی کا کام بھی کریں گے۔ اقبال فرماتے ہیں کہ اے مسلمان گھبرانے کی ضرورت نہیں ڈرنے کا مقام نہیں۔ تو اپنے راہبر کا منتظر رہ۔ اس کا بن جا اور اس کی آمد کے لئے دیدہ و دل فرش راہ کر۔ وہ خود آکر زمانہ کے حالات کو درست کریں گے۔ ؎

جو تھا، نہیں ہے نہ ہو گا، یہی ہے اک حرف محرمانہ
قریب تر ہے نمود جس کی، اسی کا مشتاق ہے زمانہ
شفق نہیں مغربی افق پر، یہ جوئے خوں ہے یہ جوئے خوں ہے
طلوع فردا کا منتظر رہ، کہ دوش و امروز ہے بہانہ
ہوا ہے گو تند و تیز لیکن چراغ اپنا جلا رہا ہے
وہ مرد درویش جس کو حق نے دیئے ہیں انداز خسروانہ

امام زمانہ کو مخاطب کرتے ہوئے اقبال اپنا ایمان اور عقیدت آپ کے حضور پیش کرتے ہوئے اپنی صفائی دے رہے ہیں۔ ؎

حاضریم و دل بغایت بستہ ایم ؎ بس زبند این و آں وارستہ ایم

ہم تو حاضر ہیں اور آپ کی غیبت پر ایمان کامل رکھتے ہیں۔ ہم نے اپنے دل کو ایں و آں سے ہٹا رکھا ہے۔ زمانہ کی گردش ظاہری ہمیں آپ پر ایمان رکھنے سے متزلزل نہیں کر سکتی۔

اقبال شروع سے لیکر آخر تک اس زندہ سوسائٹی پر ایمان و ایقان رکھتے ہیں۔ اور یہ سمجھتے رہے کہ یہ خاکی اور خود آشنا انسان ایک نہ ایک دن ضرور فرشتے سے بڑھ جائے گا۔ وہ اس مرد میدان کا شدت سے انتظار کرتے ہیں جس کا وجود کامل اطاعت اور ضبط نفس کے تمام قیود اور امتحانوں سے کامیاب ہو کر انسان کامل کے درجہ تک بڑھا لے جائے گا۔ عجل اللہ فرجہ۔

حرفِ آخر

یوں تو اقبال کے اکثر اشعار میں ان کی محمدؐ و آلِ محمدؐ سے عقیدت ٹپکتی ہے۔ کبھی وہ کھل کر اپنے جذبات و احساسات کا اظہار کرتے ہیں اور کبھی اشارہ و کنایہ کی زبان میں اپنی اندرونی کیفیت اور خیالات کی طرف توجہ دلاتے ہیں۔ ان کا ہر وہ شعر جو مسلمانوں کو احساس دلاتا ہے۔ اس میں انھوں نے اپنے ممدوحین کی مقدس زندگیوں کو بطور نمونہ پیش کر کے اس نمونہ کو اپنانے اور اس پر عمل پیرا ہونے پر سلامتی و راستی پائے جانے کا اظہار کیا ہے۔

اقبال جہاں رہنمائی کرتے ہوئے انسان کو باعزت زندگی گزارنے کے اصول بتاتے ہیں وہاں وہ ایسے لوگوں کو بھی پیش کرتے ہیں، جنھوں نے ان اصولوں پر اپنی زندگیاں گزاریں۔ اور ان کے یہ نمونے اور مبارک ہستیاں محمدؐ و آلِ محمدؐ ہیں، جن کا اسوۂ حسنہ اپنانے کے لئے اقبال تلقین کرتے ہیں۔

سابقہ صفحات میں اقبال کے صرف ان اشعار کو لیا گیا ہے۔ جن میں علامہ نے کھل کر واشگاف الفاظ میں اپنے ممدوحین کی زندگیوں کو مثالی نمونے بنا کر لوگوں کو دعوت حق دی ہے تاکہ وہ ان برگزیدہ ہستیوں کے اسوہ ہائے کامل پر چل کر فلاح پائیں۔

اقبال کے ایسے اشعار جن میں انھوں نے کنایہ اور اشارہ کی زبان استعمال کی ہے انھیں محض اس لئے چھوڑ دیا گیا ہے تاکہ کسی اقبال پرست کو یہ خیال نہ گزرے کہ اپنے مقصد کے حصول کے لئے علامہ کے کلام کی تاویل کر لی گئی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اگر تعصب کی عینک اتار کر گہرا مطالعہ کیا جائے تو سابقہ صفحات میں علامہ کے پیش کئے گئے اشعار میں سے بہت سے اشعار ایسے ہیں جو کہ ظاہر بین نگاہوں

کے لئے کچھ اور معنی رکھتے ہیں۔ لیکن دراصل حقیقت بین اور متلاشی نگاہیں ان کی اصل غرض و غایت اور صحیح احساسات تک پہنچ سکتی ہیں۔ بشرطیکہ ژرف نگاہی سے کام لیا جائے اور کلامِ اقبال اسی طرح صاف دل اور صاف نیت ہو کر مطالعہ کیا جائے، جس طرح صاف نیتی سے اقبال نے لکھا ہے۔ فرقہ بندی، گروہی عصبیت اور بیجا ضد کو اسی طرح ایک طرف رکھ دیا جائے۔ جس طرح اقبال نے رکھا۔

اقبال نے فرقہ پرستی سے بالاتر ہو کر اسلام کی ایسی معزز ہستیوں کے اُسوہ ہائے کامل پیش کئے جن پر کوئی بھی فرقہ، کوئی بھی ذی ہوش اور کوئی بھی عقلمند آدمی اعتراض کرنے کی جرأت نہیں کرسکتا۔ کیونکہ یہ ذواتِ مقدسہ اتنے بلند عزت اور علو شان کے حامل ہیں کہ ان کے کردار، گفتار اور رفتار میں پرپڑہ کے برابر بھی خامی نہیں نکالی جاسکتی۔ مسلمان تو درکنار غیر مسلموں نے بھی اُن کے اقوال و افعال کو صحیح پایا۔ ان کا جادہ، جادۂ حق ہے اور بقول جوش :- ؎

انسان کو بیدار تو ہو لینے دو ہر قوم پکارے گی ہمارے ہیں حسینؑ

یہ تمام ذواتِ مقدسہ حسینؑ ہیں اگر تاریخ کا بنظرِ عمیق مطالعہ کیا جائے تو ان میں سے ہر ایک کے مثالی کام میں ہر دوسری ہستی کا حصہ موجود ہے۔ اور اگر ایک واقعہ کو جو کہ ایک ہستی نے سر انجام دیا اس کے لئے دوسری ہستی کو سامنے لایا جائے تو وہ بھی ہو بہو اسی کی طرح اسے سر انجام دے کر یہ ثابت کرتی ہے کہ ان میں سے ہر ایک، دوسرے کے ساتھ پوری پوری طرح ہم آہنگ اور شریک کار ہیں۔

اقبال بہت بڑے فلسفی تھے۔ ان کے اشعار کو سمجھنے کے لئے جب تک فلسفہ میں درک نہ ہو اس وقت تک اُن کے کلام سے ان کا مقصد و مطلب سمجھنا مشکل ہے۔ اقبال ایسے فلسفی اور مفکر کا کسی خاص جماعت اور قوم کو یوں سراہنا اور ان کی لطف و توصیف کرنا اس امر کی غمازی ہے کہ اقبال قوم پرست یا جماعت پرست نہ تھے بلکہ

اصول پرست تھے۔ کیونکہ علامہ نے اپنی قوم اور جماعت میں سے چند دوسرے لوگوں کو چھوڑ دیا جو اُن کے معیار پر پورے نہ اتر سکے۔

اقبالؒ نے اسلام کی اِن مقدس ہستیوں کی محض نبی کے گھر پیدا ہونے کی وجہ سے اتباع نہیں کی۔ بلکہ انھوں نے مغرب اور مشرق کے فلسفہ کو گہری نظر سے مطالعہ کرنے کے بعد اسے کم مایہ اور عاجز پانے کے آخر میں اگر پناہ حاصل کی تو صرف اِن ہستیوں کے دامن میں۔ اقبالؔ کو ان کے سوا کوئی مثالی کردار کے حامل افراد نہ مغرب میں ملے اور نہ مشرق میں۔ وہ گوہرِ مراد کے لئے کبھی لندن کے کتب خانوں میں سرگرداں ہیں اور کبھی اٹلی و جرمنی میں۔ کبھی روس و چین کے فلسفہ میں تلاش کر رہے ہیں اور کبھی روم و بغداد میں۔ انھوں نے گھر میں بھی تلاش کی اور جہان میں بھی ہر طرف ڈھونڈا۔ آخر گوہرِ مراد پایا تو اسلام میں اور اسلام میں بھی صرف اُسی گھر سے جو اسلام لایا تھا۔ اگرچہ بعد از رسولؐ اس خانوادہ کو گوشہ نشینی پر مجبور کر دیا گیا لیکن ان کے اقوال و افعال نے دنیا سے اپنی صداقت و حقانیت کا لوہا منوایا اور دشمن تک بھی اِن کی شان میں رطب اللسان نظر آنے لگے۔

پھر اقبالؔ نے جن ہستیوں کو پیش کیا، ان کی زندگیوں کو کامل نمونہ پایا۔ جنگ میں بھی اور امن میں بھی۔ گوشہ نشینی میں بھی اور شاہانہ ٹھاٹھ میں بھی۔ انھوں نے کسی حالت میں بھی اپنا مقصد نہ چھوڑا۔ خواہ ہارون کی قید میں ہوں، خواہ مامون کے ساتھ شاہی تخت پر جلوہ افروز ہوں۔ خواہ میدان کربلا ہو، خواہ نیزے کی نوک یا شام کا کبر و نخوت کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا شاہی دربار۔ اسیری ہو یا امیری، ہر حالت میں انھوں نے عبادت، طہارت، عفت، عصمت، شجاعت، عدالت، صداقت۔ صولت، دبدبہ، حشمت۔ خودداری، خودآگاہی، علم و حکمت، پاکدامنی، راست گوئی۔ بیباکی۔ حق پرستی۔ ایثار، شعاری۔ سیر نگاہی۔ قناعت۔ توکل۔ پرہیز گاری، تسلیم و رضا۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر

کونسی ایسی صفت ہے جو اقبال کے ممدوحین محمدؐ و آلِ محمدؐ میں مثالی طور پر نہ پائی جاتی ہو۔ ان صفات کے حامل ان ذوات مقدسہ کے سوا اقبال کو کوئی اور ہستی نہ ملی۔ اسی لئے انھوں نے ان کے علاوہ کسی کو اپنے لئے ناجی و مقتدیٰ اور ملجا و ماویٰ نہ بنایا۔
اقبال کے اس شعر پر ختم کرتا ہوں ؎

مری نوائے پریشاں کو شاعری نہ سمجھ
کہ میں ہوں محرمِ رازِ درونِ مے خانہ

ختم شد

- عطیات
- زکوٰۃ
- خمس
- فطرہ
- قربانی کی کھالیں اور دیگر رقوم

کے مصرف کے لئے

انجمن غلامان اسلام پاکستان (رجسٹرڈ)

پنن وال تحصیل پنڈ دادنخان ضلع جہلم

کو یاد رکھیں

خصوصی معاون

مربیا :-

- جناب سید منظور حسین شاہ صاحب نقوی — پنڈوال
- الحاج حسن علی پیر ابراہیم صاحب — کراچی
- جناب میر احسان علی صاحب تالپر — منگھو پیر
- ٹرسٹی صاحب، حبیب چیریٹیبل ٹرسٹ — کراچی
- جناب سید اختر حسین صاحب کاظمی — ساکن سیدانوالہ حال شارجہ
- " ٹرسٹی صاحب مسجد خراسان ٹرسٹ — کراچی
- " والدہ ڈاکٹر سید محمد سبطین صاحب نقوی — پنڈوال
- " والدہ سید علی طاہر رضا صاحب کاظمی — ساکن سیدانوالہ حال شارجہ

اعزازی مربی :-

- جناب مولوی سید نصیر حسین شاہ صاحب نقوی — خوشاب
- " ڈاکٹر سید محمد سبطین صاحب نقوی — پنڈوال
- " مولوی غلام علی صاحب — پنڈوال
- " حبیب خان صاحب — ڈھوک سندراں
- " سید مختار حسین شاہ صاحب کاظمی — سیدانوالہ
- " سید علمدار حسین شاہ صاحب کاظمی — لائلپور
- " ہمشیرہ جناب ڈاکٹر سید محمد سبطین صاحب نقوی — پنڈوال
- " محمد دین صاحب بھٹی — پنڈوال
- " سید علی طاہر رضا صاحب کاظمی — ساکن سیدانوالہ حال شارجہ

• جناب سید عون رضا صاحب کاظمی	ساکن سید انوالہ حال شارجہ
• جناب سید ساجد حسین صاحب کاظمی مرحوم	شیخوپورہ شہر
• " سید اصغر علی شاہ صاحب نقوی	پنن وال

معاون حضرات :-

• جناب سید امداد حسین شاہ صاحب نقوی	پنن وال
• " رانا صابر علی خانصاحب	نیز ابِ مل لائلپور
• " سید شاہد حسین شاہ صاحب کاظمی ایم - اے - ایم - ایڈ	شیخوپورہ شہر
• " سید نجم الحسن شاہ صاحب نقوی - ایم - اے - بی ایڈ	پنن وال
• " سید انیس الحسن شاہ صاحب نقوی	پنن وال
• " حکیم سید تصدق حسین شاہ صاحب نقوی منظر	پنن وال
• " صوفی غلام رضا صاحب	لہڑی بکھڑ ایس
• " محمد اشرف صاحب	راولپنڈی
• " حکیم سید ناصر علی شاہ صاحب نقوی	علی پور سیداں
• " محمد اقبال صاحب بھٹی	آڑہ
• " سید نزاکت علی شاہ صاحب	منڈا بازار لاہور
• " ذوالفقار احمد خاں صاحب	شاہدرہ
• " چوہدری نور محمد صاحب	سرکلر روڈ - لاہور
• " فقیر غلام حسین صاحب	کوٹلی پیراں
• " راجہ نذیر خاں صاحب	پنن وال
• " امانت حسین صاحب کیانی	گوجر خان
• " سید تفضل شاہ صاحب نقوی	دونہ سیداں

• جناب ملک علی شان صاحب	چہار سیدن شاہ
• 〃 سید شاکر حسین شاہ صاحب	جہلم

اعزازی معاون

• جناب صابر خان صاحب	لہڑی تحگرائیں
• 〃 راجہ غلام عابد علی خاں صاحب	باغانوالہ
• 〃 ملک فتح میر صاحب	ڈھیری سیدان
• 〃 سید عاشق حسین صاحب نقوی	پنن وال
• 〃 مولوی غلام عسکری صاحب	جہلم
• 〃 راجہ صفدر علی خان صاحب رئیس اعظم	کوٹلی پیراں
• 〃 فقیر غلام حیدر صاحب مرحوم	کوٹلی پیراں
• 〃 عطا محمد صاحب	پنن وال
• 〃 محمد الیاس صاحب	پنن وال
• 〃 سید ولایت حسین شاہ صاحب	موجیانوالہ
• 〃 خادم حسین صاحب	ڈھوک سندراں
• 〃 سید محمد حسنین شاہ صاحب نقوی	پنن وال
• 〃 زوجہ ڈاکٹر محمد سبطین شاہ صاحب نقوی	پنن وال
• 〃 سید محمد ناصر علی شاہ صاحب کاظمی	سیدانوالہ

انجمن سے بھرپور تعاون کر کے تعلیماتِ محمدؐ و آلِ محمدؐ کو فروغ دیجئے

(سبطین)

خیرہ نہ کر سکا مجھے جلوۂ دانشِ فرنگ
سرمہ ہے میری آنکھ کا خاکِ مدینہ و نجف

اقبالؒ آلِ محمدؐ کے دربار میں